مَلفُوظات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی

مرتبہ

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری

ایچ ایم سعید کمپنی

صحبتے با اولیاء

ملفوظات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ

(حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مجلسی ملفوظات و ارشادات جن سے
اصلاح نفس فکر آخرت ایمان و یقین کی کیفیت پیدا کرنے کا جذبہ
پیدا ہوتا ہے اور تصوف و احسان کے رموز و آداب منکشف ہوتے ہیں)

مرتبہ:

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری

ناشر:

ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی ناشران و تاجران کتب

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

(مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی)

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

رمضان المبارک جس طرح قرآن کی سالگرہ، رحمتوں اور برکات و تجلیات کا مہینہ ہے طاعات و عبادات کی بہار کا زمانہ ہے اور روحانیت کا جشن عام ہے، اسی طرح مدینہ عشاق اور عالی ہمت خاصان خدا کی دلی مراد بر آنے کا موسم اور ان کا محبوب ترین مہینہ ہے جس کے لئے وہ سال بھر دن گنتے رہتے ہیں۔ اولیاء متقدمین کا ذکر نہیں بعض قریب العہد بزرگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ عید کا چاند دیکھتے ہی آنے والے رمضان کا انتظار شروع ہو جاتا تھا، رمضان المبارک آتے ہی ان میں ایک نیا جوش و ولولہ اور ایک نئی نشاط و امنگ پیدا ہو جاتی تھی، اور وہ کبھی زبان حال سے یوں گویا ہوتے تھے کہ

ہذا الذی کانت الایام تنتظر ❊ فلیوف للہ اقوام بما نذروا

اور کبھی کیف و سرور میں یہ گنگنانے لگتے تھے کہ

بیا ساقیا وہ مے دل فروز ❊ کہ آتی نہیں فصل گل روز روز

رمضان المبارک کے آتے ہی دینی اور روحانی مرکزوں اور خانقاہوں کی فضا بدل جاتی تھی۔ ان لوگوں کے علاوہ جو وہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوتے تھے، شیخ و مرشد سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھنے والے دور دور سے اس طرح پہنچ پہنچ کر آجاتے تھے، جیسے آہن پارے مقناطیس کی طرف اور پروانے شمع کی طرف کھنچے آتے ہیں۔ یہ روحانی مرکز تلاوت اور نوافل و عبادات سے اس طرح معمور ہو جاتے کہ گویا ان میں انسانوں کا کوئی کام اور رمضان کے بعد پھر کوئی رمضان آنے والا نہیں، ہر شخص دوسرے شخص سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان ہی کا نہیں اپنی زندگی کا آخری دن سمجھتا ہے اور خواجہ میر درد کے اس شعر کی سچی تصویر اور عملی تفسیر بن جاتا۔

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ! جس قدر پی جا سکے ساغر چلے

جو خدا کا بندہ تھوڑی سی دیر کے لئے اس ماحول میں آ جاتا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا۔ افسردہ طبیعتوں میں نئی گرمی، بلکہ سرگرمی، پست ہمتوں میں عالی ہمتی اور اولوالعزمی بلکہ مردہ دلوں میں زندہ دلی اور بلند پروازی پیدا ہو جاتی۔ بجلی کا ایک کرنٹ تھا جو دلوں سے دلوں کی طرف پہنچ جاتا اور مردہ جسموں میں ایک بجلی سی پیدا کر دیتا۔ جو شخص اس روحانی و ملکوتی فضا کو دیکھتا اس کا قلب شہادت دیتا کہ جب تک خدا طلبی کا یہ ہنگامہ برپا ہے اور دین اور روحانیت کی شمع کے پروانے کا یہ ہجوم ہے اور ہر قسم کے دنیوی اغراض اور نفس پرستی و دنیا طلبی سے بالاتر ہو کر خدا کو راضی کرنے اور اپنی آخرت کو بنانے کے لئے اتنے آدمی کسی جگہ جمع ہیں، دنیا تباہ نہ ہوگی اور زندگی کی اس بساط کو تہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا

اس وقت وہ بے اختیار خواجہ حافظ کے الفاظ میں اس طرح گویا ہو جاتا تھا کہ

از صدائے سخن عشق ندیدم خوشتر یادگارے کہ دریں گنبد دوار بماند

افسوس ہے کہ آٹھویں صدی میں سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ غیاث پور (دہلی) اور تیرھویں صدی میں حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کی خانقاہ مظہریہ واقع چتلی قبر (دہلی) کے رمضان المبارک کا آنکھوں دیکھا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ اور روزہ ذکر و تلاوت کی سرگرمی، شب بیداری اور وہاں کا نظام الاوقات کسی کتاب میں تفصیل سے

نہیں تھا لیکن فوائد الفواد، سیر الاولیاء اور دار المعارف میں ان کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ جو شخص ان خانقاہوں کے شب و روز اور ان مشائخ کے ذوق و شوق اور ساز و سوز سے واقف ہے، وہ ان نقطوں سے پوری تحریر اور ان نامکمل خطوط سے پوری تصویر تیار کر سکتا ہے کہ گفتہ

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

لیکن جن خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کے حصے میں ان خانقاہوں کی وراثت اور جن علماء و مشائخ کے حصے میں ان بزرگان سلف اور مشائخ چشتیہ کی نیابت و خلافت آئی، انہوں نے ان خانقاہوں کو تازہ اور زندہ کر دیا اور تاریخ نے ان کے عہد میں اپنے آپ کو دہرا دیا۔

وہ لوگ تو فال خال ہوں گے، جنہوں نے گنگوہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے زمانہ میں رمضان کی بہار دیکھی ہے، لیکن وہ لوگ بکثرت موجود ہیں۔ جنہوں نے گنگوہ کے دور کے بعد شیخ وقت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کے دور میں رائپور میں اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے دور میں تھانہ بھون میں رمضان کی بہار دیکھی اور جس وقت وہ اس زمانے کو یاد کرتے ہیں، ان کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔

ہمارے علم میں اس آخیر دور میں جس نے اسلاف کی اس سنت و روایت کو زندہ کیا اور اس کو نئی آب و تاب بخشی وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی ذات بابرکات تھی، انہوں نے اپنے مخصوص طالبین و مخلصین کی درخواست پر کسی ایک جگہ قیام کر کے رمضان المبارک کے گزارنے کا معمول بنا لیا، اور اطراف و اکناف بلکہ ملک کے دور دراز گوشوں سے منتسبین اور دوست مند پروانہ وار جمع ہونے لگے، حضرت نے ایک عرصہ تک سلہٹ میں رمضان المبارک گزارا، پھر کئی سال بانسکنڈی (بنگال) میں رمضان گزارا، ایک دو سال اپنے وطن مالوف الہ داد پور متصل ٹانڈہ ضلع فیض آباد اور اس کے بعد دولت خانے پر رمضان المبارک گزارا، ان سب مقامات پر سینکڑوں کی تعداد میں مریدین و خدام اور اس ماہ مبارک کے قدردان جمع ہوتے جو آپ کے مہمان ہوتے، آپ بھی ان مقامات پر قرآن شریف سناتے، لوگ ذکر و شغل، تلاوت و

عبادات میں پوری سرگرمی و انہماک سے مشغول رہتے، خدام کو بڑی کیفیات و ترقیات محسوس ہوتیں، اور وہ عرصہ تک مزے لے لے کر ان پُرکیف و پُرسرور ساعتوں کا ذکر کرتے، جب اگلا رمضان آتا تو سرور ہوتا، اور مولانا کی زندگی وفا کرتی تو غالباً الہ داد پورہ میں یہ مبارک سلسلہ جاری رہتا، اور خدا جانے کتنے بندگانِ خدا اپنی مراد کو پہنچتے اور تربیت و تکمیل کے مدارج سے گزرتے، لیکن مولانا کی وفات (الیوم جمعرات ۲۰ تاریخ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ) نے اس سلسلہ کو منقطع کر دیا اور لوگ کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

مرشدنا حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری کے یہاں بھی رمضان کا غیر معمولی اہتمام تھا، تقسیم سے پہلے پنجاب کے اہلِ تعلق تحت میں ایک بڑی تعداد علماء، اہلِ مدارس اور صاحبِ اجازت مشائخ کی ہوتی تھی، شعبان کی آخری تاریخوں میں رمضان گذارنے کے لئے رائپور آجاتے، اور پھر پوری یکسوئی و انہماک کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دنیا سے الگ تھلگ اس گاؤں میں جس کو جانے والی کوئی پختہ سڑک بھی نہیں اور نہ کوئی ریلوے اسٹیشن قریب ہے، اس مبارک مہینہ کو وصول کرنے میں مشغول ہو جاتے اور عید کی نماز پڑھ کر ہی یہاں سے تشریف لے جاتے، اس زمانے میں رائپور کی خانقاہ کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور مشائخ و طالبین کا کیا حال ہوتا تھا، اس کا کچھ اندازہ راقم کی کتاب "سوانح حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری" سے ہو سکتا ہے۔

رائپور کے علاوہ بہت بار اس وسیلۂ خیر (صوفی عبد الحمید صاحب کی کوٹھی واقع جیل روڈ، لاہور، گوشہ گل (کربوری پاکستان) اور خانقاہ مجددیہ کالج لائلپور) میں بھی اسی معمول کے ساتھ رمضان گذرے کہ کئی کئی سو خدام اور اہلِ تعلق کا مجمع تھا، اور ذکر، تلاوت اور مجاہدہ کا زور و شور۔

اس سنت کا تسلسل و استمرار بلکہ اس کی ترقی و توسیع اس شخصیت کے حصے میں آئی جس کے ہاتھوں سے اپنے اسلاف و مشائخ اور اساتذہ و مربیوں کے بہت سے کاموں کی حفاظت، بہت کی تعلیمات کی اشاعت اور بہت سی نا تمام چیزوں کی تکمیل

۱؎ حافظ چودھری عبد الحمید الخطیب کا رسالہ قیام صحبت

منقسم ہو چکی تھی۔

ہمارے مخدوم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم نے منتظمین
طالبین کے ہجوم کی وجہ سے (جو خصوصیت کے ساتھ ماہ پور رہتا، دیکھوں کے خیال
جو جانے اور مولانا مدنیؒ کی وفات کی وجہ سے تربیت و سرپرستی کے محتاج اور دیکھیوں
کے ساتھ یکسوئی میں رمضان گذارنے کے مشتاق تھے) ۱۳۸۵ھ سے سہارنپور مظاہر العلوم
جدید مدرسہ مظاہر علوم کی وسیع مسجد میں پورے مہینے کے اعتکاف کا معمول
اختیار کیا اور طالبین راہ اور تعلق رکھنے والوں نے اس جگہ کا رخ کیا، منتظمین اور
معتکفین کی تعداد بھی تدریجاً بڑھتی چلی گئی۔

راقم السطور کو ۱۳۸۲ھ اور ۱۳۸۸ھ[1] میں چند چند دنوں کے لئے سہارنپور حاضر
ہونے اور چند دن ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، آتے جاتے رہنے والوں کے علاوہ کئی سو کی
تعداد میں صرف معتکفین تھے، تین سو سے تین سو کا اوسط عموماً رہتا تھا، ہندوستان
پاکستان کے علاوہ برما، سیلون، ترکی، جنوبی افریقہ اور انگلستان سے بھی اہل تعلق رمضان
گذارنے اور حضرت کی صحبت بابرکات سے استفادہ کرنے کے لئے سفر کر کے
آتے ہیں اور یہ سب شیخ ہی کے مہمان ہوتے ہیں، ان مختلف الوطن، مختلف المزاج
اور مختلف حیثیتوں اور معیار رہن کے مہمانوں کی میزبانی اور ان کی خدمت بڑا نازک
اور دشوار کام ہے۔ خاص طور پر جب یہ سب جانتے ہیں کہ رمضان مبارک ہے، طبیعتوں کی نزاکت

---

[1] ۱۳۸۹ھ کا رمضان حضرت شیخ کا مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں گذرا، راقم نے بھی
نصف رمضان حرمین شریفین میں گذارنے کی سعادت حاصل کی، وہاں کے معمولات
کا تذکرہ آئندہ صفحات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۲ راقم (حضرت مولانا)

بندے کی زبان سے نکلے ہیں اور ایک بابرکت زمانہ اور ایک پرسکینت ماحول میں ادا ہوئے
ہیں۔ اس لئے اس کی برکت المضاعف اور ان کی برکت دوچند بلکہ سہ چند ہو جاتی ہے۔

مجھے یہ معلوم ہو کر بڑی مسرت ہوئی کہ عزیز گرامی مولوی تقی الدین صاحب ندوی مظاہری
سلمہ نے (شعبان ۱۳۹۰ھ میں) ان کے قلم بند و محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، وہ حضرت شیخ کے تلمیذ
خاص بھی ہیں اور حریم اختصاص تک، بلکہ صاحب تصنیف و صاحب درک ہیں، اس لئے
انھوں نے جو کچھ لکھا وہ حفظ و احتیاط کے ساتھ، اور جو مضمون ادا کیا فہم و تفقہ کے ساتھ
اور ملفوظات پر جب نظر ڈالی گئی اس کی تصدیق و توثیق بھی ہوئی۔ اس لئے پوری امید ہے
کہ مطالب صحیح طور پر ادا ہوئے ہیں، اور جو کچھ اس مجموعے میں آیا ہے وہ قابل اعتبار و لائق
اشاعت ہے، اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلے کو ابھی تا دیر جاری رکھے، اور اہل ذوق کو جسمانی
حاضری اور اپنے کانوں سے سننے کی سعادت نصیب فرمائے، لیکن جن لوگوں کو اس کا موقع نہیں
وہ اس مجموعے سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس ماحول و فضا کا اندازہ نہیں کر سکتے، جو
بغیر دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتی کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" اللہ تعالیٰ مرتب کو جزائے خیر
اور ناظرین کو استفادہ اور انتفاع کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط والسلام

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

مہمان خانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۱۲ شوال ۱۳۹۰ھ یوم چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

از مرتب

ناچیز مرتب ملفوظات نے حضرت اقدس مدظلہم کی تفسیر اور ملفوظات کا ضخیم حصہ قلم بند کئے ہوئے تھا، اپنی طالب علمی کے زمانے میں بخاری شریف کے سبق میں اکثر موقع کی مناسبت سے حضرت اقدس تصوف کی تشریح بھی فرمایا کرتے تھے، اس زمانے میں ان کو بھی میں نے قلم بند کر لیا تھا، اس کے بعد سال میں کئی بار حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی لیکن اس حاضری میں لکھنے کا موقع ملتا، نیز ۱۳۸۲ھ کے سفر حج میں ناکارہ حضرت اقدس مدظلہم کے ہمراہ تھا، لیکن افسوس کہ اس زمانے کی چیزیں قلم بند نہ کر سکا، جس کا اب تک قلق ہے، البتہ ۱۳۸۹ھ و ۱۳۹۰ھ کے رمضان المبارک میں پورے مہینے حاضری کی سعادت حاصل رہی، اور ملفوظات کے قلم بند کرنے کا اہتمام رہا، اس سال ماہ مبارک میں حضرت اقدس کے کئی خاص خدام بالخصوص محترم مولانا منور حسین صاحب مدظلہ مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی، مولانا سجاد صاحب اور عزیزم گرامی مولانا عبدالرحیم متالا سلمہ نے ان کو اہتمام سے قلم بند کرنے اور مرتب کرنے کی تاکید فرمائی، مگر اس اندیشہ کی بنا پر کہ حضرت اقدس سے شاید اشاعت کی اجازت دشوار ہے، سب سے پہلے ان کی ترتیب ناچیز کے نام کر دو کرایا، اس کے بعد میں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ و حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

صاحب نے زبانی اور خط وکتابت میں اس کا ذکر کیا تو ان دونوں بزرگ نے بالخصوص محترم مولانا
معین اللہ صاحب ندوی نے ان کو مرتب کرنے کی تاکید فرمائی، اس لئے ان ملفوظات کے گلدستہ
کو مرتب کر کے ناظرین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ میں نے ان کی ترتیب میں اپنی تحریر و حاشیہ پر اختصار
کیا ہے اور اس کی کوشش کی ہے کہ حضرت اقدس کے الفاظ اور جملے تک میں حتی الامکان تبدیلی نہ ہو سکے
اگرچہ حضرت اقدس جب رقت انگیز انداز میں بیان فرماتے ہیں اس کی تصویر کشی سے یہ چند صفحات
قاصر ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سوانح رائپوری میں تحریر فرماتے ہیں۔

"کاملین اہل احوال بزرگوں کی باطنی کیفیت کا اندازہ عامی کیا لگا سکتے ہیں، ان حضرات کا
اصول و مسلک یہ ہے کہ ؎

عشق طغیان است گر مستور نیست

لیکن جیسے کسی پیمانہ جب لبریز ہو جاتا ہے تو دو چار قطرے ٹپک پڑتے ہیں۔ ڈبڈبائی ہوئی
آنکھیں ضبط گریہ اور اخفائے حال کی کوشش اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے۔ جس سے سینہ معمور اور دل مخمور
ہے، کسی حقیقت شناس نے عرصہ ہوا کہہ دیا تھا ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں	گفتہ آید در حدیث دیگراں

حضرت اقدس جس وقت اپنے اکابر و مشائخ کے حالات بیان فرماتے ہیں اور جس وقت سیرت کے
الفاظ دہراتے ہیں تو ساری مجلس پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ زبان حال گویا اس حقیقت کی ترجمانی
کرتی ہے۔ ؎

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق	سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

حضرت کے درس حدیث میں جن لوگوں کو شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ اس کو اچھی طرح جانتے
ہیں کہ بخاری شریف میں جہاں مرض الوفات کی حدیث آتی تھی، اس وقت مجلس کا جو حال ہوتا تھا وہ ناقابل
بیان ہے، تھوڑی دیر کے لئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی یہ سانحہ ارتحال پیش آیا ہے، اسی طرح
مسلسلات حدیث میں حضرت اس حدیث "انی احبک یا معاذ" کو پڑھتے ہیں تو سارے مجمع پر یہ حالت طاری ہو جاتی

الٰہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیسا ہوتا	محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

اہل اللہ کے ملفوظات میں جو تنوع اور بے ساختگی پائی جاتی ہے، وہ عام تحریرات و تصنیفات میں نہیں
ملتی، اس میں مختلف ذوق مختلف المزاج لوگوں کے حالات کی رعایت ہوتی ہے، ہر شخص اپنے حسب حال اپنے
درد کا درمان پا سکتا ہے، پھر حضرت اقدس کے ملفوظات اور اکابر کے حالات مجمع کی مناسبت سے بیان فرما کر ان
سے ایسے تازہ نتائج نکالتے ہیں کہ جن سے سامعین کے قلوب پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔

ان ملفوظات کا بیشتر حصہ ماہ مبارک کی مجالس میں بیان فرمایا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ موجودہ
دور میں حضرت اقدس کی خدمت میں ماہ مبارک گذارنے والوں کا اتنا بڑا مجمع آتا ہے کہ حرمین شریفین کے سوا کہیں
بے نظیر دیکھنے کے لئے نہیں ملتا، ہندوستان پاک کے علاوہ حرمین شریفین، انگلینڈ، افریقہ، امریکہ و ایشیا کے لوگ
اس ماہ مبارک میں موجود ہوتے، عام طور پر مدارس عربیہ کے اساتذہ و طلباء کی تعطیلات بھی اسی ماہ میں ہوتی ہیں
اس لئے اکثر و غالب تعداد اس مجمع میں انہیں کی ہوتی ہے۔ ان ملفوظات کے مخاطب اولین علماء و طلباء کی جماعت
ہے جیسا حاضرین کا اندازہ طبقہ بالخصوص مدارس عربیہ جب دینی و روحانی و علمی تنزل و انحطاط کا شکار
ہے اس کی اصلاح کی حضرت کو بہت زیادہ فکر ہے ملفوظات کے قارئین پڑھنے کے بعد اس کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے
۱۳۹۶ھ کے بعد ماہ مبارک گذارنے والوں کی کثرت کی بنا پر مدرسہ مظاہر علوم کے دار الطلبہ جدید کی
مسجد میں یہ سلسلہ شروع کیا گیا، ہر سال اس مجمع میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے ۱۳۹۸ھ کے رمضان میں مستقل مقیمین
کی تعداد تقریبا چھ سو تک پہنچ گئی تھی، یہ سب حضرات حضرت اقدس مدظلہم کے مہمان ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ
جزائے خیر عطا فرمائے مولانا نصیر الدین صاحب ناظم طعام اور ان کے رفقاء کار کو جو حضرت کی جانب سے ان
سب مہمانوں کے کھانا و سحری و افطار کا انتظام کرتے ہیں، اسی طرح مولانا کفایت اللہ صاحب پالنپوری
اور ان کے رفقاء نے بے وقت کی چائے کا انتظام اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ حق تعالیٰ اس چشمہ فیض کو تادیر
قائم و دائم رکھے۔ آمین

یہ ناچیز اپنے محسن و مربی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کا تہ دل سے ممنون ہے کہ
انہوں نے ان ملفوظات کو اپنی مجالس میں سنا اور ان پر ایک قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا۔
مزید اطمینان کے لئے اس ناچیز نے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب گنگوہی مدظلہ (مفتی اعظم

دارالعلوم دیوبند) سے اس مسودہ کی سماعت کی درخواست کی، انہوں نے ازراہ شفقت و عنایت اس کے اکثر حصے کی سماعت کی اور بعض مقامات پر تصحیح فرمائی جس پر یہ ناچیز بے حد ممنون ہے۔

کتاب کی طباعت و نشر و اشاعت کے سلسلے میں میرے کرم فرما جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب ڈیانی مہتمم دارالعلوم فلاح دارین کی وساطت سے محترم مولوی محمد جی بھائی ساؤتھ افریقہ کے تعاون نے سہولت پیدا کردی، حق تعالیٰ ان تمام حضرات کو دنیا و آخرت میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور ناچیز مرتب اور قارئین کو ان ملفوظات اور صاحب ملفوظات کی برکات سے مالا مال فرمائے۔

اب یہ مفید و نادر مجموعہ ناظرین کی خدمت میں عرض کے انتہائی ادب و معذرت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے

نصیب ہست کہ بیگانہ ز عشق را
چہ حق کہ نصیبے آشنا بخشند

فقط والسلام
قمرالدین مدنی مظاہری
فلاح دارین ترکیسر سورت گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شیخ کے معمولات و نظامِ اوقات

(ماخوذ از سوانح یوسفی)

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ

شیخ کی زندگی اپنے علمی انہماک، خدمتِ خلق، مشغولی اور رشد و ہدایت کی مصروفیات کے اعتبار سے اس دور میں بھی ان علماء سلف کی زندہ یادگار ہے جن کا ایک ایک لمحہ عبادت، خدمت اور علم کی نشر و اشاعت کے لئے وقف تھا اور جن کے کارنامے دیکھ کر ان کے اوقات کی برکت، ان کی جفاکشی، بلند ہمتی اور ان کی جامعیت کے سامنے آدمی تصویرِ حیرت بن کر رہ جاتا ہے اور ان کی بدولت تاریخ اسلام کے سوانح نگاروں پر بے یقینی نہیں ہو سکتی۔

فجر کی نماز کے کچھ دیر بعد شیخ گھر میں تشریف لے آتے ہیں، اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ چائے نوش فرماتے ہیں جن کی تعداد کبھی پچاس ساٹھ سے شاید ہی کبھی کم ہوتی ہو، بعض دنوں میں اس سے بہت بڑھ جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کے لئے ناشتہ کا بھی انتظام ہوتا ہے، لیکن اس وقت شیخ کا معمول صرف چائے پینے کا ہے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ اور اہم مہمان ہوتا ہے جو تھوڑے وقت کے لئے سہارنپور آیا ہوتا ہے یا ان سے کوئی ضروری بات کرنی ہوتی ہے تو تخلیہ کر لیا جاتا ہے اور کچھ دیر وہاں تشریف رکھتے ہیں، پھر بالا خانہ پر اپنے علمی و تصنیفی معمولات [illegible] کے لئے تشریف لے جاتے ہیں، جہاں سے [illegible] تحریرات اور کتب کے مطالعہ سے، بہت معزز مہمان کی آمد کے موقع پر کبھی کبھی کچھ فرق واقع ہوتا ہے بعض

مرتب فرمایا۔ حضرت بابوجی کا یہ ۱۸ برس مشائخ کی تشریف آوری کے موقع پر یہ معمول ترک کر دیا جاتا
تو سہ دری میں درود ہو گیا۔ اجازت لے کر تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ پھر تھوڑا سا کام کر کے واپس آگیا۔ اکثر حضرات
خدا کی بااصرار شیخ کو رخصت فرما دیتے اور روح گوارا دو فرشتے۔ اوپر کی نشست گاہ وہ ملتی ہے۔ وہ کتب خانہ
ایک چھوٹا کمرہ جس میں کتابوں کا اس طرح ذخیرہ ہے گویا دیواریں ان کتابوں کی ہیں ان کتابوں کے درمیان
بمشکل ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ ہے جس میں شیخ تشریف رکھتے ہیں۔ وہ جب اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں اور
ان کتابوں کے درمیان چھپا لیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زندہ جاوید جسم محبوس تھا جو اپنے
آشیانے میں واپس پہنچ گیا ہے۔ اس وقت ان کا وہی حال ہوتا ہے جس کی تصویر خواجہ میر درد نے اس شعر میں
کھینچی ہے ۔

جانے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ　　　کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

اگر کسی کو اس وقت کوئی ضروری بات کہنی ہوتی ہے یا کسی مسترشد مہمان کو ملنے کے لئے جانا پڑتا ہے
تو اس کو بمشکل بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر، ایک آدھ چھوٹی چٹائی کا فرش
کچھ پرانی شیشیاں، اور دواؤں کی ٹوٹی گرد، جس سے معلوم نہیں کتنے علم کا جوہر اور اخلاص کی آب و تاب
جھلکتی ہے۔ ڈھائی بجے تک شیخ پوری یکسوئی کے ساتھ اس کام کرتے رہتے ہیں اور ان کا جی چاہتا ہے کہ سوائے
ضروری اور فوری کاموں کے خلل نہ واقع ہو۔ ان اوقات میں ان ذوق مہمانوں اور ذکر و شغل کرنے والے
مسترشدین کو اجازت ہوتی ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر ذکر جہر کرتے رہیں یا اپنے اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اس
سے شیخ کی یکسوئی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا ۔

ڈھائی بجے شیخ تشریف لے آتے ہیں، دسترخوان بچھتا ہے، مہمانوں کی جماعت کثیر شریک طعام ہوتی
ہے، عام طور پر دو وقت کی ترتیب یہی ثابت ہے۔ شیخ کی اصطلاح میں ایک کو پہلی پنگت اور دوسری کو دوسری پنگت
کہتے ہیں۔ شیخ اول سے آخر تک کھانے میں شریک رہتے ہیں، اپنا کھانا کم مقدار اور رفتار ایسی رکھتے
ہیں کہ ہر شخص کی کھانے والے تک کا ساتھ دے سکیں، کھانے میں بالعموم تنوع ہوتا ہے۔ متعدد قسم کے
سالن وافر مقدار میں ہوتے ہیں اور بڑے اصرار سے مہمانوں کو کھلایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نو وارد ناتجربہ کار

بعض اوقات اہل اصرار سے اپنے معمول سے زیادہ کھا کر تکلیف بھی اٹھاتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھنے
والا معلوم کر لیتا ہے کہ حضرت شیخ برائے نام شریک ہیں ان کی خوراک اتنی کم ہو گئی ہے کہ اس مقدار کے ساتھ زندگی محض
پر تعجب ہوتا ہے لیکن دسترخوان پر وہ ایسا سماں باندھتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں چلنے پاتا کہ کریم النفس اور فیاض
میزبان خود کس قدر اس کھانے میں شریک ہے۔

کھانے سے پہلے ڈاک آ جاتی ہے جس پر ایک سرسری نظر ڈال لیتے ہیں۔ اس ڈاک کی مقدار روز بروز
بڑھتی جا رہی ہے۔ ان سطور کے تحریر کے زمانے میں تیس چالیس کے درمیان روزانہ خطوط کا اوسط ہے۔

کھانے کے بعد شیخ آرام کرنے کے لئے مستعد ہوتے ہیں ۲ بجے ایک گھنٹہ مقرر رکھا جاتا ہے۔
یہی وقت ان کے آرام کا ہے۔ ظہر کے بعد ایک گھنٹہ دو گھنٹہ ڈاک اور اس کے درمیان میں کبھی مستورات یا مہمانوں سے
گفتگو کی نذر ہوتے ہیں۔ عصر ختم ہونے کے بعد حدیث کے درس کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ پہلے یہ درس
دار الطلبہ کے دار الحدیث میں ہوتا تھا جو بالائی منزل پر ہے۔ اب چڑھنے میں تکلیف کی وجہ سے مدرسہ کی بیٹھک یا
دار الطلبہ کی مسجد میں ہوتا ہے۔ مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کی وفات کے بعد سے بخاری شریف آپ ہی
پڑھتے ہیں۔ اس درس کی کیفیت بھی دیدنی ہے نہ کہ شنیدنی۔ حدیث کے احترام و محبت کے شغف اور روایات نبوی
سے عشق کی کیفیت کا اثر تمام حاضرین پر پڑتا ہے اور بعض مرتبہ تو ساری مجلس پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے خصوصاً
ختم کتاب اور دعا کے موقع پر تو عجیب عالم ہوتا ہے اور ضبط و حمل طبیعت کے باوجود چھلک پڑتا ہے۔ [illegible] وفات نبوی
کی احادیث پر اکثر ضبط کا رشتہ چھوٹ جاتا ہے۔ آنکھیں بے اختیار اشکبار اور آواز گلوگیر ہو جاتی ہے
(لیکن سال دو سال سے امراض کی وجہ سے درس کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ ت)

عصر کی نماز کے لئے مسجد تشریف لاتے ہیں جہاں مجلس ہوتی ہے۔ سارا صحن زائرین اور حاضرین سے بھرا ہوتا ہے
ان میں مدرسہ کے طلباء اور بعض اساتذہ بھی ہوتے ہیں اور مدرسہ کے مہمان بھی۔ چائے کا اسی وقت
بھی دور چلتا ہے۔ تعویذ لکھنے کا اس وقت معمول ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد اب دیر تک [illegible] رہتے

۱؎ آج کل یہ خدمت حافظ میر نصیر الدین صاحب کی ... سپرد ... ہے (ت)

فرمارہے جن میں کئی پارے پڑھتے، آرام سے فراغت کے بعد اور عشاء کی نماز سے قبل ایک خصوصی مجلس جس میں خاص خاص مسترشدین و خدام شریک رہتے۔ عشاء اور تراویح کے بعد پھر مجلس ہوتی، جس میں ہلکی سی افطاری عموماً امرود یا کیلا کا کچا لڑیا کچھ پھلکیاں یا بڑے وغیرہ لیکن قلیل مقدار میں کھانے کا اس وقت بھی ذکر جنہیں یہ گرمیوں کا زمانہ تھا، مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنے کے عادی تھے، اس لئے تراویح میں بہت دیر ہو جاتی، ڈیڑھ دو گھنٹے مجلس میں بیٹھ کر یہ حضرات مجلس تو آرام کرنے چلے جاتے شیخ نوافل میں مشغول ہو جاتے، سونے کا ایک منٹ کے لئے بھی معمول نہ تھا۔ آخر وقت میں سحر کھاتے اور چوبیس گھنٹے میں یہی کھانے کا وقت تھا، نماز فجر اول وقت ہو جاتی، نماز کے بعد آرام فرماتے اور دن نکلنے کے بعد صبح ۱۰ بجے تک ۲۴ گھنٹے میں یہی سونے کا وقت تھا، پھر دن بھر قرآن مجید ہی کا دور رہتا، یہی رمضان کا سب سے بڑا معمول تھا جو کچھ وقت ملتا قرآن مجید کی تلاوت اور دور میں گذرتا۔

رمضان کی اس مشغولیت اور علو ہمت میں صحت کے تنزل کے باوجود برابر ترقی ہی ہوتی چلی گئی ان سطور کے تحریر کے وقت جو پچھلا رمضان ۱۳۹۵ھ کا گزرا ہے، اس کی تفصیل ایک خادم خاص اور ہر وقت کے حاضر باش[1] اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

> "وسط شعبان سے ۲۹ رمضان تک جو مہمان باہر سے آئے اور پورا رمضان یا کچھ ایام گذار کر واپس گئے، ان کی ایک فہرست ایک خادم نے بطور خود مرتب کی تھی، اس فہرست میں ۲۱۳ مہمانوں کے نام ہیں۔"

حضرت شیخ کا نظام الاوقات رمضان شریف میں یہ رہا، سحری کے لئے جب لوگ بیدار ہوتے تو حضرت عموماً نوافل میں مشغول اور جب سحری کا وقت ختم ہونے لگتا تو ایک دو انڈے نوش فرماتے اور چائے کی ایک پیالی، پھر جماعت تک تکیہ لگائے لوگوں کی طرف متوجہ رہتے، مہمان حضرات ان کے سامنے ہوتے، بعد نماز فجر آرام فرماتے تقریباً ایک بجے دن تک پھر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے، دوپہر زوال کے قریب تک، پھر ڈاک ملاحظہ فرماتے اور بعض ضروری خط لکھاتے

---

[1] مولانا منور حسین صاحب بہاری سابق مدرس مدرسہ مظاہر علوم

اذان ظہر تک ، پھر نماز میں مشغول ہوتے ، بعد ظہر فوراً تلاوت شروع فرماتے مسلسل عصر تک ، مہمانوں کو
ہدایت تھی کہ سب لوگ بھی تین ذکر میں مشغول ہو جائیں قبیل عصر تک ، چنانچہ ذاکرین ذکر میں مشغول ہوتے
اور دوسرے حضرات تلاوت میں مشغول رہتے عصر تک ، بعد عصر حضرت قرآن شریف سناتے ، اکثر مہمان
یا قرآن شریف سنتے یا خود تلاوت کرتے قبیل افطار تک صرف چند منٹ پہلے تلاوت موقوف کرکے
مراقب ہو جاتے ، مہمانوں کو ہدایت تھی کہ صحن مسجد میں افطار کے دسترخوان پر چلے جائیں اور حضرت
اکیلے پردہ میں ہو جاتے ، اذان پر مذاق کھجور سے افطار اور اس پر زمزم ایک پیالی نوش فرماتے ،
پھر مراقب ہو جاتے یا ٹیک لگا کر بیٹھتے ، نماز مغرب سے فراغت کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا
جاتا اور حضرت دیر تک نوافل میں مشغول رہتے ، اذان کے آدھ گھنٹہ پہلے تک ، اس وقت ایک دو
انڈے نوش فرماتے اور ایک پیالی چائے ، یہ چائے بھی ہفتہ عشرہ کے بعد بہت اصرار پر شروع
ہوئی ، کسی طرح اتنا بھی بہت اصرار پر منظور فرمایا تھا ، روٹی چاول وغیرہ کسی قسم سے کوئی چیز
بھی رمضان بھر بلکہ ایک دن پہلے بھی نوش نہیں فرمایا ، اذان عشاء سے آدھ گھنٹہ پہلے پردہ ہٹا دیا
جاتا ، حضرت ٹیک لگا کر مہمانوں کی طرف متوجہ رہتے ، جب منظور ہوتا ، سنتے آنے والے ملتے ، پھر
اذان ہو جانے پر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل پھر فرض و تراویح میں مشغول ہو جاتے ، اس رمضان
میں تین قسم کی سماعت فرمائی ، پہلے مفتی یحییٰ صاحب نے سنائی ، پھر دو تین فرقان سے
نے پھر میاں سلطان سلمہ پسر مفتی صاحب نے ۔ پورا ماہ اعتکاف میں گزارا اور اکثر و بیشتر مہمان بھی
معتکف رہے ، کیونکہ اس بار اوقات ڈاکخانہ نے بھیجنے کے لئے کسی آدمی کا ملنا مشکل ہو گیا تھا ۔ بس حضرت
کے تین چار خادموں کو خاص ان کے ضروریات کے لئے غیر معتکف رکھا گیا ۔

آخر عشرہ میں یا اس سے کچھ پہلے بعض بعض دوستوں کے بار بار تقاضے یا کتاب لانے
کی بناء پر تراویح کے بعد ایک دو عدد مٹھائی یا اشیاء کی کباب بھی نوش فرما لیتے ، مگر اکثر تو تقسیم ہی کرا دیتے
، داخل رمضان میں اعلان کرا دیا گیا تھا ، یعنی حضرت نے خود فرمایا تھا کہ تراویح کے بعد کتاب ہوا کرے گی
چنانچہ کتاب سنانے کا معمول رہا ، اور اس وقت چائے یا کھیر وغیرہ کا جو معمول پہلے سے چلا آرہا تھا ۔

جس رمضان میں یہ طے کر دیا گیا تھا کہ وقت ضائع ہوگا، کتاب و تفسیر سے فراغت کے بعد فرماتے، حضرت جب وقت کی قدر کرواتے چنانچہ اکثر تلاوت یا نماز میں لگ جاتے اور حضرت بھی مشغول ہو جاتے کچھ دیر کے بعد کچھ دیر کے لئے آرام فرماتے مگر تمام عبادات و ریاضات و تبلیغی کی طرح بیت رہتی مگر ابوالحسن صاحب سے جو پاس آکر ہوتے کبھی کوئی بات فرما دیتے اور یہ فرماتے کہ ہم لوگوں کے آنے سے ذکر سے پیرے آرام میں فرق نہیں آتا۔

اگلے رمضان ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء تقریباً واقعہ را، کچھ چیزوں میں تبدیلی تھی، مولوی محمد حسین صاحب مرحوم نے اپنے مکتوب میں جو حالات لکھے ہیں، اس کی چند اہم باتیں یہ ہیں:

"۲۹ شعبان کو فجر کی نماز سے پہلے ہی مہمانوں اور معتکفوں نے اپنی اپنی جگہوں پر قبضہ کرنا اور بستر بچھانے شروع کر دیئے، چنانچہ بعد فجر جو لوگ گئے تو اکثروں کو تیسری صف میں جگہ ملی، حضرت پہلے ہی اعلان فرما چکے تھے کہ ۲۹ شعبان کو بعد عصر مسجد آنے سے اعتکاف کا مستقل ہو جائے گا، حضرت بعد ظہر تشریف لے گئے اور نوٹ سے اوپر تقریباً تین چار کم مہمان بھی مسجد دارالطلبہ جدید میں اقامت اعتکاف کی نیت سے پہنچ گئے، حالانکہ مسجد بہت وسیع اور تقریباً مضبوط کی جگہ ہے، مگر مہمانوں اور سامان سے مسجد بھر گئی، چنانچہ جو مہمان رات کو یا صبح سے پہلے یا بعد میں پہنچے ان کو مسجد کے برآمدے میں جگہ دلائی گئی، شام کے دسترخوان میں شرکت کم اور عصر کے وقت سے زیادہ مہمان ہو گئے تھے، پھر مہمان آتے گئے اور برآمدہ مسجد کے بھر جانے پر مدرسہ کی مسجد جا بجا جگہ دلائی گئی، اور ہر مہمان کو تقریباً ڈیڑھ فٹ کی جگہ اندر کے دو حجروں میں تیسری کی مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے دوسرے حجرہ کے وسط میں ایک عظیم الشان خیمہ نصب کرا لیا گیا۔

نیچی مسجد کے کھلے صحن میں وہ بھی آخیر عشرہ میں جا بستر لگایا، پہلے کی طرح ناظم
جلسہ سعیدیہ کے چھ کمروں کو خالی کرایا گیا تھا، چنانچہ پہلے دوسرے عشرہ میں
صرف معززین کو ان کمروں میں سے چار پانچوں پر ٹھہرایا جاتا تھا، مگر آخیر عشرہ میں
دو کمرے تو حضرت شیخ کے لئے رہے، باقی چھ کمروں میں پیال ڈلوا کر عام مہمانوں کو
ٹھہرایا گیا، بعد کو سب ہی کمروں میں پیال پڑ گئے، ۲۳ ویں سے ۲۸ ویں تک تقریباً چار سے
تین سو مہمان دستر خوان پر کھانا کھاتے رہے، عزیزم مولوی نصیر الدین صاحب
کے پاس کھاتے رہے ....

اس سال تبلیغی جماعتیں ۲۱ ماہ رمضان سے بہاولپور اہل علم کثرت سے آئے حضرت نے مستقل ناشتہ میں کیا جائے
دی، گجرات، بمبئی، پالن پور کے مہمانوں کی تعداد نمایاں تھی، یوپی والوں کی تعداد مجموعی طور پر زیادہ
تھی، افریقہ، انڈمان، میسور، مدراس، بنگال، اڑیسہ، بہار اور آسام کے بھی لوگ تھے۔

ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے رہتے، تمام مہمان ذکر میں مشغول رہتے، عصر تک اکثر ذکر جہری میں
بعض ذکر سری یا مراقبہ میں اور کچھ تلاوت میں، بات چیت کرنے کی قطعی اجازت نہیں تھی، عام
ہدایت تھی کہ جاسے یہاں آ کر فضول باتیں نہ کرو، خواہ سو رہو یا خاموش بیٹھے رہو، کوئی حرج نہیں
عصر کے بعد کتابیں سنائی جاتیں، امداد السلوک انگریزی اور رسالہ تکمیل اتمام النعم ترجمہ تبویب الحکم
تکمیل اکمال الشیم شرح اتمام النعم سلوک کی کتابیں پورے ماہ رمضان میں سنائی گئیں، افطار سے
چند منٹ پہلے کتاب سنانی موقوف کر دیتا اور پردہ میں مراقب ہو جاتے، صرف کھجور اور زمزم
سے افطار فرماتے، کچھ کھانے کا معمول نہیں تھا، پھر مراقب ہو جاتے، نماز مغرب کے بعد
تقریباً پون گھنٹے نوافل میں مشغول رہتے، پھر دو تین کی زوری نوش فرما کر ایک پیالی چائے
پی لیتے، پردہ ہٹا دیا جاتا، تقریباً سوا سات بجے عام مجلس شروع ہو جاتی، نئے آنے والوں سے
مصافحہ فرماتے، اور کب تک قیام کا سوال فرماتے اور کم قیام کے لئے ہدایت فرماتے، پھر آٹھ بجے
تک بزرگوں کے واقعات بیان فرماتے، اسی درمیان میں بیعت بھی فرماتے، اذان ہوتے ہی نماز

کی تیاری فرماتے اور خود ضروریات سے فارغ ہوتے، اور نوافل شروع فرمادیتے۔

تراویح سے فراغت پر سورۂ یٰسین کا ختم ہوتا اور دیر تک دعا فرماتے رہتے۔ تبلیغی جماعت کے مخصوص حضرات ہوتے تو ان سے دعا کی فرمائش کرتے، پھر کتاب پڑھنے کا سلسلہ ساڑھے گیارہ تک رہتا اور تبلیغی کارروائی سنائی جاتی۔ اس کتابی مجلس کے اختتام پر تقریباً ۱۲ بجے شب کو پردہ گرا دیا جاتا۔ اس سال گھر والوں اور دوستوں کے اصرار و تقاضا اور اس بنا پر کہ بالکل فاقہ رہنے پر پیاس کا غلبہ ہوتا تھا، اور پانی پینے پر معدہ میں رطوبت بہت بڑھ گئی تھی، جس کے نتیجہ میں رمضان کے بعد بھی کچھ عرصہ تک کچھ کھایا نہیں جاتا تھا، افطار کا سلسلہ شروع کیا گیا، حضرت کچھ تناول فرمالیتے پون بجے تک مخصوص مجلس رہتی مراقبہ کی کیفیت رہتی، ایک بجے کے بعد سو جاتے۔ ڈیڑھ بجے اٹھتے ضروریات سے فارغ ہوکر نوافل میں مشغول ہوجاتے۔ سحر سے آدھ گھنٹہ پہلے دودھ پینے کے چند چمچے نوش فرماکر ایک پیالی چائے نوش فرماتے، پھر نوافل میں مشغول ہوجاتے، یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوجاتی۔"

(ماخوذ از سوانح یوسفی)

مہمانوں اور معتکفین کے قیام کا نظم و انتظام

چنانچہ احقر اپنے وطن اعظم گڈھ سے ۲۷ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ کو روانہ ہوکر ۲۹ شعبان بروز جمعہ سہارنپور حضرت اقدس مدظلہم العالی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا نماز جمعہ کے بعد ملاقات و زیارت کا شرف حاصل ہوا اس وقت تو مبارک گذارنے والوں کا اچھا خاصا مجمع ہو گیا تھا۔ شنبہ کو حسب سابق دارالطلبہ جدید کی مسجد میں معتکفین اور دیگر [illegible] بقیہ مہمانوں کے قیام کا نظم کیا گیا، منتظم اعلیٰ حسب سابق مولانا منور حسین صاحب مدظلہ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مدرسہ قدیم سے دارالطلبہ جدید سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر منتقل ہوجائیں چنانچہ عصر تک سب لوگ منتقل ہوگئے۔

نماز عصر کے بعد حضرت اقدس مدظلہم بھی مسجد میں تشریف لائے، رویت ہلال کا انتظار رہا۔ مگر ۲۹ کو چاند نظر نہیں آیا۔ بہرکیف سب لوگ بیٹھے اپنے معمولات و تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے۔ دیگر ہر روز صبح کی نماز کے بعد تفسیر قرآن سے صلوٰۃ التسبیح کا باب پڑھا گیا اس کے بعد خصوصاً مولانا منور حسین صاحب مدظلہ نے اعلان فرمایا کہ عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ سب لوگ حصول فضیلت کی نیت سے ضرور پڑھ لیں، رمضان مبارک میں بھی کم از کم ایک دو مرتبہ اہتمام کر لیا جائے۔ یہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا بھی طریقہ رہا ہے۔

یکم رمضان المبارک کو واردین کی تعداد تقریباً ۳۰۰ تک پہنچ گئی تھی، اور رمضان بھر یہی تعداد رہی جب حضرت اقدس سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو اس پر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ

"حق تعالیٰ جیسی بندہ کی صورت ہے ویسی ہی حقیقت بھی بنادے۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

پہلی مجلس

یکم رمضان المبارک

> یہ مجلس مغرب کے بعد کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد ہوتی تھی اور وقت زیادہ تر قائم رہتی تھی، آخر مجلس میں بیعت ہونے والوں کو حضرت اقدس رضی اللہ عنہ بیعت فرماتے تھے۔ آخر رمضان تک یہی معمول رہتا ہے۔

ماہ مبارک کے مشاغل میں انہماک و استغراق ارشاد فرمایا، آپ لوگ جس مقصد کے حصول کیلئے یہاں آتے ہیں، اس کے لئے انتہائی کوشش کیجئے۔ رمضان المبارک کی راتیں تو جاگنے کے لئے ہوا کرتی ہیں۔

میں نے سنہ [illegible] میں پہلا سفر حج کیا، اس وقت سے رمضان المبارک کی راتوں کو جاگنے کا معمول بنالیا تھا۔ مگر اب ۵، ۶ سال سے بیماریوں نے چھڑوادیا ہے۔ یہ درحقیقت ہم نے عرب سے سیکھا تھا۔ وہاں لوگ رمضان کی راتوں میں بیدار رہتے ہیں۔ ہم لوگ وہاں کے قیام کے زمانے میں تراویح وغیرہ سے فراغت کے بعد سحری تک عمرہ کیا کرتے تھے دوبارہ جب سنہ [illegible] میں وہاں حاضری کا اتفاق ہوا تو سحری ہی دیکھا کر رمضان المبارک میں بازار رات

کھلے رہتے ہیں، اور دن میں سناٹا رہتا ہے، البتہ گزشتہ سال جب وہاں حاضری ہوئی، تو معلوم ہوا کہ بہت سے گھروں میں وہاں رات میں ٹیلی ویژن لگائے جاتے ہیں اور اس کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔
اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا: کام کرنے والوں کے لئے یہ چیزیں ان کے کاموں سے مانع نہیں۔
بچپن میں ایک قصہ سنا تھا، ایک مولوی صاحب غریب آدمی تھے، بھوک کی شدت کے عالم میں کسی حلوائی کی دکان کے قریب جا کھڑے ہو جاتے اور مٹھائیوں کی خوشبو سے اپنا پیٹ بھر لیتے، سڑک پہ یا اور کہیں روشنی نظر آئی تو وہاں جا کر کتابیں دیکھتے، ایک مرتبہ شہرہ ہوا کہ بادشاہ کے صاحبزادے کی شادی ہے، رات میں قمقمے وغیرہ روشن کئے گئے، یہ صاحب رات بھر ان قمقموں کی روشنی میں صبح تک کتابیں دیکھتے رہے، جب صبح ہوئی تو فرمایا: "وہ شادی کے قمقمے کہاں گئے سنا تھا کہ بادشاہ کے یہاں شادی ہے؟" اس قصہ کو سنانے کے بعد حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا: جس کو کسی کام کا چسکا پڑ جائے، اس کو ٹیلی ویژن وغیرہ کی آوازیں یا اور کوئی چیز مقصد سے مانع نہیں ہو سکتی۔

ع۔ مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے صاحبزادگان میں سے ایک صاحب مطالعہ کر رہے تھے دوران مطالعہ میں انہوں نے پانی مانگا، حضرت شاہ صاحبؒ نے جب اس کو سنا تو فرمایا: "خاندان سے علم رخصت ہوا!" کسی طالب علم محترم نے کہا کہ ابھی جلدی نہ کریں، ذرا مزید دیکھ لیں۔ چنانچہ پانی کے گلاس میں شکر ڈال کر خادم سے بھجوا دیا، وہ اس کو پی گئے اور گلاس واپس کر دیا، اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: "الحمد للہ ابھی خاندان میں علم باقی رہے گا۔"

امام مسلمؒ کا مشہور قصہ ہے، بیان کیا گیا ہے کہ ان کی مجلس درس میں امام موصوف سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا، جو امام موصوف کو حسن اتفاق سے یاد نہ آئی۔ واپس گھر آئے تو انہیں خرمے کی ایک ٹوکری پیش کی گئی۔ حدیث کی تلاش میں اس قدر محو ہوئے کہ چھوارے آہستہ آہستہ سب کھا گئے اور حدیث بھی مل گئی، یہی امام صاحبؒ کی موت کا سبب ہوا۔

فرمایا: میں نے حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کو دیکھا کہ جب حضرت اپنے مشغول ہوتے کر

کوئی کچھ عرض کرتا تو فرماتے "آئیں" یعنی حضرت کو اس وقت دوسری طرف بالکل التفات نہ ہوتا، یہی حال میں نے حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کا دیکھا کہ حضرت کی مجلس میں کتاب پڑھی جاتی، حضرت سنتے فرماتے پھر پڑھو، یہ آپ سے میں نے بھی سیکھا ہے۔

بڑے حضرت رائپوری کے یہاں تو رمضان کا مہینہ دن رات تلاوت کا ہوتا، اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی بند، بعض مخصوص خدام کو اتنی اجازت تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر حضرت سادی چائے کا ایک فنجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضر ہو جایا کریں۔

پنجاب کے ایک پیر صاحب کا قصہ ارشاد فرمایا۔ بڑے حضرت رائپوری پنجاب کے ایک پیر صاحب کا قصہ سنایا کرتے تھے، مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں، وہ بزرگ اپنے سب مریدوں کو عشاء کے بعد سلا دیتے اور ایک بجے بعد ذکر اٹھا دیتے، ان کی خانقاہ میں عشاء کے بعد سے چائے کی پی شروع ہوتی اور ۲ بجے تک چلتی رہتی، اور فضا ہی ایسی بنتی کہ اتنی دیر پیچھے کے بعد وہ گڑ کی ہو جایا کرتی تھی، دو کی لوگوں کو پلائی جاتی تاکہ نیند نہ آئے، یہ قصہ سنانے اس لئے آپ کو سنایا ہے کہ تم لوگ اس پر عمل کرو، وہ پنجاب کے لوگ تھے جو قوی الجثہ ہوتے تھے، اور ہم کمزور ہیں۔ البتہ حسب مقدور کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت اقدس کا ماہ مبارک میں تلاوت کا معمول ارشاد فرمایا بچپن سے ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے کا معمول سنہ سے شروع ہوا تھا جو تقریباً ستر تک تو ہوگا بلکہ اس کے بعد تک، ابتدائی معمول یہ تھا کہ سوا پارہ جس کو عزیز حکیم اسحاق صاحب کی مسجد میں سنانے کی نوبت آئی تھی، یا میرے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے گھر میں اس کو تراویح کے بعد شب میں قرآن پاک دیکھ کر اور اکثر ترجمہ کے ساتھ نظر کرتے ہوئے چار پانچ دفعہ پڑھتا تھا، گرمیوں کی شب میں کچھ کم، سردیوں میں کچھ زائد، اس کے بعد تہجد میں جس کو دو دو مرتبہ، اس کے بعد سحر کھانے کے بعد سے لیکر صبح کی نماز تک اور نماز کے بعد سونے تک ایک دفعہ پڑھتا تھا، اور پھر صبح کو سونے کے بعد اشراق تک جو ساڑھے دس بجے ہوا کرتا تھا، چاشت کی نماز میں سردیوں میں ایک مرتبہ

گرمیوں میں ۱۰ دفعہ: اس کے بعد ظہر کی اذان سے ۱۰ منٹ پہلے تک ایک یا دو مرتبہ دیکھ کر، پھر
ظہر کی سنتوں میں اجتماعاً دو مرتبہ، اول کی سنتوں میں ایک دفعہ اور آخر کی دو سنتوں میں دوسری دفعہ
اور بعد میں ہر دو سنتوں میں ایک ہی مرتبہ رہ گیا۔ ظہر کے بعد دو سنتوں میں سے کسی کو ایک مرتبہ سنانا اور پھر
عصر تک موسم کے اختلافات کی وجہ سے ایک یا دو دفعہ پڑھنا۔ عصر کے بعد کسی دوسرے اپنے
آدمی کو سنانا اجتماعاً حضرت کی حیات تک حافظ محمد حسین صاحب اجراڑوی کو، اس کے بعد قدیمی
ساتھی مولوی اکبر علی صاحب مدرس مظاہر علوم کو، اس کے بعد بہت عرصہ تک مفتی محمد یحییٰ صاحب کو،
ابتداءً ہی سے ساتھ ان کے دونوں بھائی حکیم الیاس، مولوی عاقل بھی شریک ہوتے تھے، مغرب
کے بعد نفلوں میں ایک دفعہ پڑھنا اور نفلوں کے بعد تراویح تک ایک دفعہ پڑھنا۔ ۲۴ گھنٹے میں
اس کی تکمیل ضروری تھی کہ ۳۰ پارے پورے ہو جائیں۔ اللہ کے انعام و فضل سے سالہا سال یہی معمول
رہا۔ اخیر زمانے میں بیماریوں نے چھڑا دیا۔

حکیم طیب کا مقولہ کیا رمضان بخاری کی طرح آتا ہے؟

ارشاد فرمایا، مجھے دنیا کی بے تہائی کا رمضان بہت آتا ہے، اس زمانے کا ایک لطیفہ یاد آگیا:
میرے عزیز مخلص دوست حکیم طیب رامپوری میرے اور میرے مخلص مولوی نصیر کے مدارس زمانے
یہاں ان کی آمد و رفت بہت کثرت سے تھی، اور چونکہ بہت مختصر وقت کے لئے آتے تھے اور سیاسیات
کی خبریں بہت مختصر الفاظ میں جلدی جلدی سنا جاتے تھے اس لئے ان کی آمد میں میرے یہاں
کوئی پابندی نہیں تھی۔ ایک مرتبہ رمضان میں ۱۰ بجے صبح کو آئے، مولوی نصیر سے کہا کیواڑ
کھولو، اس نے کہا رمضان ہے، خود زنجیر کھڑکھڑانے کا ارادہ کیا، اس نے منع کیا اور یہ بھی کہا کہ
یا تو وہ سو رہا ہوگا تو نیند خراب ہوگی اور اگر اٹھ گیا ہوگا تو نفلوں کی نیت باندھ لی ہوگی۔
کھڑکھڑاتے رہے، اس پر خفا ہو کر مدرسہ چلے گئے۔ راستہ میں مولانا منظور احمد صاحب ملے، انہوں
نے کہا: حکیم جی تم کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے۔ اس پر کچھ سوچ پیدا ہوا، اور غصہ
پر تعجب کم ہوا۔ اس کے بعد حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، وہ ڈاک

دوسری مجلس

۲ رمضان المبارک

حضرت اقدسؒ کا پہلا سفرِ حج ارشاد فرمایا: جب میں پہلی مرتبہ بیت اللہ شریف حج
کے لئے روانہ ہوا چونکہ یہ سفر حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کی معیت میں تھا۔ میں اپنے بھی
تک ہر اسٹیشن پر بہت سے والوں اور کھانوں کی کثرت تھی۔ بمبئی میں تقریباً تین سو کا مجمع تھا۔ راستہ میں یہ
سب لوگوں کا کھانا مشترک تھا۔ مگر بمبئی پہنچ کر حضرت نے اعلان فرمایا کہ اب گویا سفر حج شروع ہو گیا
ہے۔ مشترک کھانے کے انتظام کرنے میں دشواری ہوگی اور وقت نے مختصر ہے کہ حج کے سفر میں کھانے کی
شرکت نہ ہو تو اچھا ہے۔ سب لوگ اپنی اپنی مناسبت کے ساتھی تلاش کرلیں، اور اسی نوع سے کھانے
کا انتظام کریں۔ میرے ایک عزیز جن میں مولوی طفیل صاحب تھے، ان کے ساتھ ایک خادم ملا حمید عزیز
تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھ مولوی لطیف مرحوم کو شریک کر لیا۔ اور یہ چاہتے تھے کہ مجھے اپنے ساتھ شریک
کرنے پر اصرار کر رہے تھے، حاجی مقبول حضرت کے یہاں ایک مقام رکھتے تھے مجھ سے میاں مولوی
نصیر الدین کا ہے معاملہ کہا کرتے تھے کہ حضرت اگر میں نہ بولا تو یہ خدام سب آپ کے کپڑے
تک نہ چھوڑیں۔ مولوی نصیر جب خفا ہوتے تو حضرت تک میں بھی خفگی کا اظہار کرتے۔ میرے ساتھ
بھی ان کا معاملہ یہی تھا، مگر جب میرے خوش ہوتے تو کہتے کہ میری تم سے لڑائی نہیں۔ میری تم
سے صرف اس لئے لڑائی ہے کہ مولانا عبد اللطیف صاحب سے تم نے الگ کیوں دوسرے کے ساتھ کھانا
ہے۔ بہر حال میں نے نصیر کو تو دوسرے کے ساتھ شرکت سے انکار کر دیا۔ اس زمانے میں سفرِ حج کو

خرچ چھ سَو روپے ہوتا تھا۔ جو اس زمانے کے شاید ڈھائی ہزار کے برابر ہو۔ میں ٹکٹ وغیرہ لے
چکا تھا میں نے چھ سَو روپے اپنی جیب سے نکال کر حاجی مقبول کے حوالہ کیا، اور یہ کہہ دیا کہ اگر اس
میں کمی ہوگی تو ان شاء اللہ واپسی میں ادا کر دوں گا۔ میرے پاس سامان بہت مختصر تھا۔ ایک تکیے میں
کپڑے وغیرہ سب رکھ لئے تھے۔ بمبئی سے ایک لوٹا جہاز میں بیٹھنے کے لئے خرید لیا تھا۔ حاجی مقبول
صاحب نے کہا کہ جب تم نے بہت سے حساب وغیرہ نہیں لئے تو بڑی خوشی سے ہمارے ساتھ رہ سکتے ہو۔ مگر
اگر تمہاری رقم حضرت کے سامان وغیرہ کے قُلی میں خرچ ہوگی تو بھی تمہیں خوشی ہوگی؟ میں
نے کہا بالکل۔ مجھے حساب وغیرہ نہیں چاہئے۔ اگلے دن حضرت نے فرمایا کہ بھائی سب لوگوں
کا انتظام ہو گیا؟ تو ماموں لطیف نے کہا کہ حضرت سب کا ہو گیا ہے، سوائے مولوی زکریا کے وہ
آپ ہی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت میرے حاجی مقبول کے ساتھ جا رہا ہے
کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا اچھا وہ کیسے راضی ہو گئے۔ حضرت نے اس پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔
حضرت قدس سرہ اپنے خدام کے جہاز سے مدینہ جانے اور رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ وہاں پر حضرت
کی اکثر دعوت ہوا کرتی تھی۔ البتہ سامان کا جو بوجھ حضرت کے ساتھ لایا تھا۔ محمد علی چھیپی ہوئی تو ہم لوگوں کو
عنایت کر دیتے تھے اور اگر وہ ملیریا کی شکل کا ہوتا تو اس کے پھل وغیرہ منگا کر تقسیم کرا دیتے۔ اور اگر بڑا ہدیہ ہوتا
تو وہاں کے کسی آدمی کو ہدیہ کر دیتے تھے۔ ایک روز ان کی دعوت ہوئی۔ حاجی جی نے سب کو اطلاع کر دی۔
مگر گھر پر جلدی کر کے بھول گئے، گھر پر کھانا پک گیا۔ جب حضرت کو کھانا آیا تو حاجی مقبول ہم لوگوں
پر بہت بگڑے کہ تم لوگوں نے کھانا پکانے سے کیوں نہیں منع کیا۔ ان پر بڑی خفا ہوئیں۔ حضرت نے
کچھ نہیں فرمایا۔ ہم لوگوں نے مغرب کے بعد کچھ تھوڑا سا کھا لیا اور کچھ دعوت کا۔ حضرت نے دوسرے
لوگوں کو بھیج دیا۔ مجھ پر بڑی تھی۔ آخر کار جب ہم لوگ کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھے تو اپنے دعوت کا کھانا
کھایا۔ اس کے بعد ہم نے ذرا پھر کھانا منگایا، اندر سے کھانا آتا رہا۔ بالآخر سب ختم ہو گیا اور ان کی
کو تعجب ہوا کہ اس قدر کھانا کھایا ہے کوئی باہر سے جو تو نہیں آگئے۔
جب حضرت کو اس قصے کا علم ہوا تو فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے گھر کے بچے کچھ کے رہتے

دیا۔ میں نے عرض کیا: حضرت ہم روزانہ خوب کھاتے ہیں، کبھی زیادتی ہو جاتی ہے اور یہ میرا جوانی کا زمانہ تھا۔ اب ہم کھانے پینے کے نہیں رہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی" ۲

حضرت سہارنپوریؒ کے بارے میں مولانا محب الدین صاحب کا ارشاد

ارشاد فرمایا: مولانا محب الدین مہاجر مکی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے خاص خلفاء میں تھے اور صاحب کشف تھے۔ مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس حرم میں بیٹھا ہوا تھا، مولانا اس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا درود پڑھ رہے تھے، یکا یک دفعتہً میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اس وقت حرم میں کون آگیا کہ دفعتہً سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں نے عرض کیا کہ ابھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہو کر باب الصفا کی طرف سعی کے لئے چلے تو مولانا محب الدین کے پاس آئے کہ وہی جگہ مولانا کی نشست کی تھی، مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا: میں بھی تو دیکھوں کہ آج حرم میں کون آگیا، یہ کہہ کر مصافحہ کیا اور معانقہ ہوا اور سعی کے لئے آگے بڑھ گئے۔ مولانا محب الدین اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا کہ میاں ظفر مولانا خلیل احمد صاحب تو نور کی توپ ہیں ان میں نور کے سوا کچھ نہیں۔

مولانا محب الدین صاحب کا ایک کشف

ارشاد فرمایا: ۱۳۳۸ھ میں جب میرا پہلا سفر حج حضرت سہارنپوری کے ساتھ ہوا تو اس سفر میں مولانا محب الدین صاحب باحیات تھے، حضرت سہارنپوری سے معانقہ کرتے ہوئے فرمایا: مولانا آپ یہاں کہاں آگئے ہیں یہاں تو قیامت کبریٰ قائم ہونے والی ہے، فوراً رمضان کے بعد ہندوستان واپس لوٹ جاؤ کیونکہ شریف حسین کے بعد ابن سعود کا قبضہ ہونے والا تھا۔ حضرت اقدس نے ہم خدام سے فرمایا کہ میں تو مدینہ پاک میں قیام کے ارادے سے آیا تھا مگر مولانا محب الدین صاحب اس کو سختی سے منع کرتے ہیں۔ میری تو مدینہ پاک حاضری کئی مرتبہ ہو چکی ہے، تم لوگوں کا پہلا حج ہے، نہ معلوم پھر حاضری ہو نہ ہو اس لئے تم زیارت کر آؤ۔

فرمایا: وہ زمانہ اس قسم بدامنی کا تھا کہ حج سے پہلے کچھ لوگ حاضر ہوتے اور حج کے بعد

نے بھی دعوتیں دیں اور کبھی حضرت نے ان کو امیر بنایا ہے جبکہ وہ نہیں چاہا کرتے تھے۔ بفضلہ تعالیٰ ماحضر بغیر گوشت ہی کہ کبھی ایک سالن بھی کھانے کی نوبت نہیں آئی۔

ارشاد فرمایا، چونکہ میں عربی جانتا تھا۔ تمام قافلے والوں کی طرف سے بدوؤں کی باتیں ترجمانی کرتا تھا میرا بدو (جمال) تو گویا مجھ پر عاشق ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ مجھے کانٹا چبھ گیا۔ تو وہ بہت پریشان ہوا اور جب کانٹا نکالتے تھے تو میرے جسم پر اپنا سر چھپاتا تھا۔ اور وہ اپنے پیسے ملنے میں میرے پاس جمع کرتا تھا۔ مگر جب یہ بدو حرم مکہ میں پہنچے، تو چونکہ قافلے والے ان سے تنگ تھے اس لئے موقع پاکر ان کو بھگا دیا، کہ میرے بدو کے کچھ پیسے بھی میرے پاس رہ گئے جس کو بعد میں خیرات میں داخل کرا دیا۔

مدینہ منورہ میں تین دن کے بجائے ایک چلہ قیام کی غیبی صورت

ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کے احسانات تذکیر: وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا کی ایک مثال یہ ہے کہ تین دن کے بجائے مدینہ پاک میں ایک چلہ قیام کی حق تعالیٰ نے صورت پیدا فرما دی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر تعب و تکان کی وجہ سے ہمارے جمال کا ایک اونٹ مر گیا۔ اور نہ تو جمال کے پاس اتنے دام تھے کہ وہ اونٹ لے سکے اور نہ ہم لوگوں کے پاس۔ اتنا تھا کہ وہ ہم سے قرض لے لے۔ اس لئے وہ جمال جب کہتا کہ مجھے قرض دے دو کہ میں اونٹ خرید لوں تو ہم لوگ کہتے کہ اگر قرض دے دیں تو ہم لوگ اپنے کھانے کا انتظام کیسے کریں۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ہم لوگ تین روز کا خرچ لائے تھے۔ غرض وہ بیچارہ خدا اس کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ روز غریب بیٹھا یہی کہا کرتا اور ہم سے معذرت کیا کرتا رہا۔ رفقاء میں سے کبھی کبھی کوئی شخص امیر مدینہ سے جا کر شکایت کر دیتا، امیر مدینہ بھی معذرت کے ساتھ صبر کی تلقین فرماتے اور جمال کو ڈانٹتے جاتے۔

روضہ پاک پر درخواست اور واپسی کی غیبی صورت

ارشاد فرمایا، اس طرح جب چالیس روز ہو گئے تو میں نے حاضر روضہ پاک پر عرض کیا

کہ حضرت یہ نہیں کہ حضرات بچے بدل پیدا ہو گئے ہیں۔ انہیں دشواری ہو رہی ہے۔ چنانچہ شام کو
ہمارے وفد کو ایک نوٹ مل گیا اور ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ کل سے مولانا شبیر احمد
صاحب تم کو تلاش کر رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ
کے خلفاء میں سے تھے۔ مدینہ میں مولانا یحییٰ صاحب کا صاحبزادہ چنانچہ حرم میں ملاقات ہوئی:
انہوں نے فرمایا کہ تمہارے قافلے کے بارے میں یہاں شہرت ہے کہ ہندوستان کے فقیروں کا ایک
قافلہ یہاں پہنچا ہوا ہے، دوسرا قافلہ امیروں کا شمار ہوتا ہے۔ اس لئے مجھے تمہاری تلاش تھی، کیونکہ
ہمارے ساتھیوں کے پاس پانچ سو گنیاں ہیں۔ ساتھ لے جانے میں خطرہ ہے۔ اس لئے آپ
اپنے ساتھ لے جائیں۔ آپ کے قافلے سے کوئی تعرض نہیں کرے گا کیونکہ وہ فقیروں کے قافلے سے
مشہور ہو چکا ہے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ کسی میں جا کر دیکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ لے جانا
دشوار ہے۔ جب انہوں نے بہت اصرار فرمایا تو میں نے کہا۔ میں لے جاؤں گا، مگر شرط یہ ہے کہ
آپ ان کے روپے بنا کر مجھے دے دیں۔ اور ساتھ یہ ہم کو اجازت دے دیں کہ ہم ان کو خرچ کر سکتے
ہیں۔ ہندوستان پہنچ کر چار مہینے میں یہ رقم انشاء اللہ آپ کو ادا کر دیں گے۔ دوسری شرط یہ ہے
کہ حضرت اقدس کو اس کی خبر نہ ہو۔ چنانچہ وہ ان گنیوں کے سات ہزار بنا کر لائے۔ میں اس رقم
کو لے کر اپنے قافلے میں آیا۔ اور اعلان کیا کہ جس کسی کو ضرورت ہو وہ مجھ سے قرض لے لے۔ لوگوں
کو تعجب ہوا کہ مدینہ پاک میں مذاق؟ جب میں نے روپے دکھائے تو یقین آیا۔ میں نے اپنے
ساتھیوں کو دو شرطوں کے ساتھ قرض دیا۔ ایک یہ کہ حضرت کو خبر نہ ہو، دوسرے یہ کہ ہندوستان
پہنچ کر دو مہینے کے اندر یہ رقم مجھے ادا کر دی جائے تاکہ میں حسب وعدہ یہ رقم مولانا شبیر احمد صاحب
کو واپس کر دوں۔ الحمد للہ ہندوستان آ کر وہ رقم ادا کر دی۔ مدینہ پاک میں اس زمانہ میں کسی سے
جان پہچان نہیں تھی۔ حضرت مولانا سید احمد مدنی صاحبؒ سے یہاں پہچان تھی۔ مگر ان کا مدینہ منورہ
پاک سے اخراج ہو چکا تھا، اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مالٹا میں اسیر تھے۔

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! اللہ سے مانگو، خوب مانگو، دینے والا وہی ہے۔

ایک استفسار: فرمایا: علماء کرام! تم لوگوں سے میں خفا ہوں، جب میں یہاں کوئی بات کرتا ہوں، تو تم ٹوکتے کیوں نہیں؟ جب حضرت شاہ اسمٰعیل شہید صاحبؒ حضرت سید احمد شہیدؒ کو ٹوک سکتے ہیں، تو تم مجھے کیوں نہیں ٹوکتے؟ یہ سفر مدینہ کا ذکر تھا، اس میں [illegible] حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب مدظلہ نے عرض کیا: نیت پر موقوف ہے، تحدیث نعمت کے طور پر جائز ہے۔

جمل حسیر کا مطلب: ارشاد فرمایا: اس سفر میں میں نے دیکھا کہ ہر اونٹ کے چلتے چلتے اس کے خصیتین پر ہاتھ لگاتا ہے، میں نے اس سے اس کی مصلحت دریافت کی، تو اس نے کہا کہ اونٹ چلتے چلتے حسیر ہو جاتا ہے، وہ کسی کام کا نہیں رہتا، چنانچہ سنن ابی داؤد شریف باب من اتی حسیراً جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ پر ہے، راستے میں ایک اونٹ کو میں نے دیکھا کہ ویسے ہی کھڑا ہے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حسیر ہو گیا ہے، گویا تھکاوٹ کا آخری درجہ ہے، کھڑے کھڑے مر جائے گا، اس کی علامت خصیتین پر ظاہر ہوتی ہے، ان میں ورم آجاتا ہے، اسی کو معلوم کرنے کے لئے جلد ہاتھ لگاتا تھا۔

حضرت سہارنپوریؒ کی نماز: ارشاد فرمایا: اس سفر حج میں ہمارا رمضان جہاز سے شروع ہو گیا تھا، اس لئے فیصلہ یہ پایا کہ آدھا پارہ حضرت تراویح میں پڑھا کریں گے، اور آدھا پارہ میں پڑھوں گا، مجھے بھی جہاز میں چکر آتا تھا، اور مجھ سے زیادہ حضرت کو آتا تھا، یہ ۸ دن لگے تھے، مگر حضرت کو کہاں سے قوت آجاتی تھی کہ پوری نماز نہایت سکون سے کھڑے ہو کر ادا فرماتے، اور فراغت کے بعد بیٹھنا مشکل تھا۔

حضرت رائپوریؒ کے سنہ ۴۵ھ کے سفر حج کا ایک قصہ: ارشاد فرمایا: ہمارے حضرت اقدس رائپوریؒ نے سنہ ۴۵ھ میں سفر حج کیا، میں اس زمانے میں حضرت سہارنپوریؒ کے ساتھ حجاز مقدس میں حاضر ہوا تھا، تو حضرت اقدس رائپوریؒ نے فرمایا کہ اتنے عرصے سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی، اس لئے یہ سفر میں نے تم سے ملاقات کے لئے کیا ہے۔

چنانچہ ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ کو مدینہ منورہ سے حضرت رائے پوری کی میرے ہی ساتھ مکہ معظمہ کو
واپسی ہوئی۔ اس سفر میں بھی "الائمۃ من قریش" کہہ کر مجھے امیر قافلہ بنایا گیا۔ حضرت کے خدام
آپ کا شغدف اچھی طرح باندھتے تاکہ سفر میں راحت رہے۔ ایک شریک قافلہ رئیس کو اس بات
کی شکایت رہتی کہ ان کا شغدف اچھی طرح نہیں باندھا جاتا۔ ان کے بار بار شکایت کرنے پر
میں نے بحیثیت امیر کے حکم دیا کہ وہ حضرت کے شغدف میں سوار ہوں، اور حضرت ان کے شغدف
میں۔ حضرت تو اپنے شغدف سے فوراً اتر گئے۔ ان رئیس صاحب نے اترنے سے انکار کر دیا۔ اس پر
میں نے کہا کہ پھر حضرت پیدل چلیں گے۔ حضرت نے خوشی منظور کر لیا، اور پیدل روانہ ہو گئے۔ رئیس
نے بڑی معذرت کی، اور بڑے اصرار سے آپ کو سوار کیا، پھر شکایت نہیں کی۔

حجاج کے مادی سوغات لانے پر اظہار ناپسندیدگی

ارشاد فرمایا: کہ حجاج میرے لئے جو مادی چیزیں مصلیٰ وغیرہ لاتے ہیں، وہ مجھے
پسند نہیں، یہ چیزیں کافر ملکوں سے بن کر آتی ہیں۔ اور صندوق میں بند رہتی ہیں، ان میں کیا مدینہ
کی ہوا لگی ہو۔ حج کو جانے والوں سے میں یہ کہا کرتا ہوں کہ میرے لئے کوئی چیز نہ لاؤ، اگر تمہیں
محبت ہے تو حج و عمرہ لاؤ۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے، عمرے کی تعداد قریباً ایک لاکھ اور حج کی تعداد
ایک ہزار تک پہنچ چکی ہوگی جو میرے دوستوں نے میری طرف سے کئے ہیں، اسی رمضان المبارک
میں پچیس عمرے کی اطلاع آئی ہے۔ یہی سامان قبر میں کام کا ہے۔ ارشاد فرمایا: اپنے محسنوں کے
احسانات کا بدلہ ان کے لئے دعائیں کرنا۔ حدیث میں آیا ہے کہ محسن کے لئے "جزاک اللہ خیراً" کہا کرو،
اللہ کے سوا کون بدلہ دے سکتا ہے۔ یہ میری وصیت بھی ہے اور نصیحت بھی کہ اپنے محسنوں کے
لئے دعا کیا کرو، ہم بغیر سوال کے صورت سوال بنے ہوتے ہیں۔

ارشاد فرمایا: کھجور، زمزم کے سوا اور کوئی چیز مجھے پسند نہیں، میں جب بھی حجاز مقدس
حاضر ہوا، تو اپنے گھر والوں کے لئے وہاں سے کپڑے وغیرہ کے قسم کی کوئی چیز نہیں لایا۔ مولانا یوسف
صاحبؒ کے ساتھ جب وہاں حاضری ہوئی تو مسجد نبوی میں ان کی تین چار گھنٹے تقریر ہوا کرتی

ہوتا تھا۔ میں بھی اس میں بیٹھتا تھا۔ محبت و خوشی سے نہیں بلکہ استفادہ کی نیت سے۔ اس مغر
کیا مرحوم نے قدیم بہت ترقی کی، اور بہت سی اچھی اشیاء اٹھا۔ نہ ماہ کی نشست میں مسجد نبوی کے گرد کے
کے پڑوں پر کھیتی کیا کرتا تھا، اور انھیں کو یہاں بطور تحفے کے لایا تھا۔ اور اس کے بعد کے سفر میں حاجی
جمیل احمد کے ساتھ پاس سے کچھ کھجور لایا تھا، خدام سے کہہ دیا تھا کہ ان کو اپنے مکتوب میں ڈال دو۔ روضہ
شریف کے سامنے نا قوس رہتی تھی، وہاں کی مٹی مٹھی کر لایا تھا، حاجی یعقوب رحیمی اکبر بھی ایک تحصیلی
بھیج کر تھی جو یہاں آکر اپنے دوستوں کو بھی دی تھی۔

ارشاد فرمایا: حضرت اقدس رائے پوری کی جب پہلی مرتبہ کراچی سے دہلی ہوائی جہاز پر تشریف
لائے تو ملاقات کے وقت فرمایا۔ جب میرا ہوائی جہاز پر بیٹھنا ہوا تو جی میں آیا کہ آپ بھی ایک مرتبہ ہوائی
جہاز پر سفر کر لیں تو پاکستان کے لیے آپ منظور فرمائیں گے۔ اس لئے اب موقع ہے کہ آپ کے ساتھ
حجاز مقدس کا سفر کریں گے، چنانچہ سفر کا انتظام ہو گیا۔ لیکن اس سال ہندوستان میں کالرا چیچک
کی شہرت کی وجہ سے دوسرے ملکوں سے قرنطینہ کے تحت احکام نافذ کر دیے گئے تھے، اس کی
وجہ سے ہوائی جہاز سے سفر حجاز بند ہو گیا، اس لئے یہ سفر تو ملتوی کر دیا۔ البتہ حضرت اقدس
اپنے خدام کے تشریف لے گئے، جب واپس تشریف لانے تو حضرت فرمانے لگے، جانے سے واپسی
تک یہ سوچ رہا کہ تمہارے لئے کوئی ایسی چیز لے جاؤں جس سے تم کو خوشی ہو، بہت سوچ کر مسجد نبوی
سے تمہاری نیت سے عمرہ کا احرام باندھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس پر میرے ذہن
بہت قربان۔ اس کے بعد میری نیت سے بہت عمرے کی کثرت ہوئی، مولانا علی میاں کا مستقل
دستور رہا جیسا کہ انہوں نے لکھا کہ جب طواف شروع کرتا ہوں تو پہلا آپ کی طرف سے کرتا
ہوں۔ ایک صاحب آئے وہ سنا گئے کہ انہوں نے میری نیت سے اتنے عمرے کئے۔

قدوائی صاحب سابق سفیر ہند برائے حجاز کا مکتوب

قدوائی صاحب کی ملازمت ختم ہونے سے چار ماہ پیشتر ختم ہو رہی تھی، حضرت کو دونوں کے لئے خط لکھا تھا۔ جنھیں تو ملے حضرت کی دعا کی برکت سے ایک سال کی توسیع ہو گئی۔ انہوں نے اپنے خط میں

لکھا تھا کہ میری تمنا ہے کہ ایک سال میں اور یہاں رہ جاؤں، تاکہ حج کے موقع پر آپ کی خدمت کروں
ارشاد فرمایا: اس سے پہلے سفر حج ۱۳۸۰ھ میں عزیز مسعود وغیرہ نے کوشش کر کے
رات کو ۹ بجے گاڑی سے ملاقات کی اجازت دلائی تھی، جب میں ملاقات میں آیا تو لوگوں نے بتایا کہ مولوی
صاحب بھی ایک زمانہ یہاں رہتے رہے، وہاں تو وہ ملے نہیں، البتہ یہاں آنے کے بعد ان کا خط آیا تو
میں نے جواب میں لکھا کہ مجھے آپ کا رات کا ملاقات یاد ہے۔

تیسری مجلس

۳ ؍ رمضان المبارک

حضرت رائپوریؒ کا ایک مجاہدہ

ارشاد فرمایا: ابتداء میں تھوڑے مجاہدے ضرور برداشت کرنا پڑیں گے۔ سوانح حضرت اقدس رائپوریؒ میں یہ واقعہ لکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ سردی کا موسم تھا، میرے پاس کوئی کپڑا اوڑھنے بچھانے کے لئے نہیں تھا، شام کو مغرب سے لے کر عشاء تک وضو کے لئے جہاں پانی گرم ہوتا تھا وہیں بیٹھا رہتا تھا۔ اپنا وظیفہ پڑھتا رہتا تھا، پھر نماز عشاء کے بعد مسجد کے سہ دری میں مسجد کی چٹائی لپیٹ لیتا تھا مگر اس میں بھی پائنتی اور سر کی طرف سے ہوا آتی تھی۔ پھر تھوڑی دیر اس چٹائی میں رہ کر اس سے باہر نکل آتا تھا اور ذکر شروع کر دیتا، اور ساری رات ذکر کی گرمی سے گزارتا، اسی طرح سارا موسم سردی کا گزر گیا۔ مگر اس کے بعد کوئی سردی ایسی نہیں آئی جس میں کم از کم ایک رضائی نئی نہ آتی ہو بلکہ ہر سال حضرت نہایت عمدہ عمدہ لحاف مجھے ضرور عنایت فرماتے تھے، میں اپنی لڑکیوں میں سے کسی کو دے دیتا تھا۔

ارشاد فرمایا: ہمارے حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ پیران کلیر جانے کا ارادہ کیا اور پیچھے سے وہاں سے تشریف لے گئے۔ وہاں مراقب ہو کر بیٹھے تو معلوم ہوا، اپنا اپنا کام کرنا اور اپنا اپنا بھرنا، تو فرمایا جب ایسا ہی ہے تو گھر ہی پر کیوں نہ کروں۔ چنانچہ واپس تشریف لائے، فرمایا یہاں گھر کے مشاغل فرصت نہیں دیتے۔

چچا جان کا مجاہدہ ارشاد فرمایا: میرے بچپن کا واقعہ ہے کہ جب میرے چچا جان بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی نوجوانی کا عالم تھا۔ ان پر مجاہدے کا بہت زور تھا، گفتگو تو تقاضے و غلبے کے پیچھے یک لخت ترک ہو چکی تھی۔ اس میں ایک لپیٹے پر آنکھ بند کئے ہوئے دو زانو بیٹھے رہا کرتے تھے۔ میری فارسی اس زمانے میں شروع ہو گئی تھی، میں کتاب پڑھتا، جہاں کہیں کچھ کہنا ہوتا، انگلی کے اشارے سے فرماتے۔ اگر عبارت سمجھ میں نہ آتی تو کتاب بند ہو جاتی۔ میں نے اپنے والد صاحب کا اصول تعلیم بیان کیا تھا، کہ شاگرد کا کام عمل کرنا اور استاد کا مقتاب ہے۔ اس زمانے میں چچا جان فرماتے کہ اگر تم چھ مہینے خاموش رہو تو میں تم کو ولی بنا دوں۔

لب ببند و چشم ببند و گوش ببند
گر نہ بینی سر حق بر ما بخند
(رومی)

یہ بھی سمجھ کر حقیقت نکل آئے گی۔

اس زمانے میں چچا جان کو جو کی روٹی کا اتباعِ سنت میں کھانے کا شوق ہوا اور ان کے ساتھ ہم نے بھی زور دکھلائے۔ تقریباً چھ مہینے تک چچا جان کا دستور رہا، اس کے بعد کسی بیماری کی وجہ سے حکیم نے منع کر دیا۔

ارشاد فرمایا: میرے چچا جان نے ایک مرتبہ مجھے خط لکھا، اس میں تحریر فرمایا کہ کئی دن سے ایک ضروری خط لکھنا چاہتا تھا، مگر لفافے کے لئے پیسے نہیں۔

ارشاد فرمایا: چچا جان کا نظام الدین میں جب پیری کا دور شروع ہوا تو مولوی لطیف مرحوم ایک رمضان میں نظام الدین حاضر ہوئے، خیال ہوا کہ خوب کھانے کو ملے گا، جب افطار کا وقت آیا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا، افطار کے وقت چچا جان نے کچھ کھجوریں منگا کر دے دیے اور مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک نوافل میں مشغول ہو گئے اور عشاء کے بعد تراویح پڑھ کر سو گئے۔ مولوی لطیف نے چچا سے شکایت کی کہ چچا جان کے یہاں کھانے پینے کا کوئی ذکر ہی نہیں، سحری کے وقت بھی وہی چار کھجوریں آئیں۔ صبح ہوئی مولوی لطیف نے کہا میں دہلی جانا چاہتا ہوں۔ چچا جان نے اصرار سے روک لیا، چنانچہ شام کو کہیں سے ایک دیگ پلاؤ کی آگئی، وہ کر مولوی لطیف کو کھلایا۔ مجاہدے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک اضطراری اور

دوسرا اختیاری، دوسرا زیادہ اہم ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا مجاہدہ ارشاد فرمایا: میرے چچا جان کے زمانے میں مولوی یوسفؒ نے بھی بڑے مجاہدے کئے اور مشغول رہا اور محنت کی، ان مجاہدوں کا ثمرہ اس کی ترقی میں خوب ظاہر ہوا، چچا جان کے زمانے میں دہلی کے احباب کا بہت اصرار تھا کہ صاحبزادے صاحب کو شادی میں ضرور لائیں، مگر مرحوم اپنے طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج ناگوار معلوم ہوتا تھا، جب اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں میرا دہلی جانا ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے جاتے ہی وعدہ لے لیتا، بھائی جی فلاں جگہ جانے کو نہ کہیں، چچا جان مجھ سے ارشاد فرماتے، یوسف کو بھی ساتھ لے لیجیو! تو میں یہ معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ میں نہ کہوں۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں ایک صاحب نے تقویٰ کے بارے میں دریافت کیا اس پر حضرت اقدس مدظلہم نے اپنے اکابر کے چند واقعات سنائے۔

ارشاد فرمایا: مولوی رحیم بخش صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے اور مظاہر علوم کے بھی سرپرستوں میں تھے، دونوں جگہوں پر مؤثر۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے ان مدرسوں میں کھانے پینے کی جو احتیاطیں تھیں وہ تو باقی نہیں، جو چاہو کھا لو۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کاندھلوی کے تقویٰ کا اثر ہمارے خاندان میں بہت رہا ہے، ورع و تقویٰ ان کا خاص جوہر تھا، مشہور مسلم بات تھی کہ ان کے معدہ نے کبھی کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی، یہ حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کے شاگرد تھے، زمانہ طالب علمی میں یہ صرف بازار کے ہوٹلوں سے روٹی خریدتے اور سالن نہیں لیتے، اس کی وجہ یہ تھی کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی تھی، دریافت کرنے پر فرمایا: آموں کی بیع دہلی میں قبل از وقت ناجائز طریقے پر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ مولانا نواب قطب الدین صاحب مظاہر حق نے اکابر مولانا شاہ اسحٰق صاحب، مولانا یعقوب صاحب اور مولانا مظفر حسین صاحب وغیرہ کی دعوت کی، ان سب حضرات نے منظور"

فرمائی۔ لیکن مولانا مظفر حسین صاحب نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس سے نواب قطب الدین خان کو ملال ہوا۔ انہوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحب کو بھی دعوت دی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا۔ ارے مظفر حسین! تجھے تقویٰ کی یہ بدہضمی ہو گئی ہے، کیا نواب قطب الدین صاحب کا کھانا حرام ہے؟ انہوں نے فرمایا: معاذ اللہ، مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا: پھر تو کیوں انکار کرتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ مقروض ہیں اور جتنا خرچ کریں گے وہ ان کی حاجت سے زائد ہی ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔

ارشاد فرمایا:- مولوی زبیر کا کراچی سے خط آیا کہ میں نے مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ جب کھانا مشکوک ہو تو دعا کہاں سے قبول ہو گی۔ ہم لوگ مدرسے کے ملازم ہیں، چندہ کا روپیہ آتا ہے جو مشکوک ہوتا ہے، اس لئے میں نے ملازمت کے ترک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں نے جواب لکھا کہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کرنا۔ اب تجارت کہاں پاک رہی۔ مولانا مظفر حسین صاحب ایک مرتبہ مولوی نور الحسن صاحب کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم کو دیئے کہ خود جا کر ان کا سامان کھانے کے لئے لادیں تاکہ گڑبڑ نہ ہو۔ کھانا تیار ہوا اس میں کھیر بھی تھی، جس کے کھاتے ہی قے ہو گئی۔ مولوی نور الحسن صاحب بہت پریشان ہوئے، تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ دودھ جو مولوی محمد ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا، پھر وہ دودھ ایک حلوائی کے یہاں سے ادھار لیکے آیا تھا۔

ارشاد فرمایا: "بی امۃ الرحمٰن" جو مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی تھیں جن کو عام طور سے خاندان میں "آپی بی" کے نام سے یاد کرتے تھے، ایک صاحب بصیرت بی بی تھیں، دن بھر مصلے پر بیٹھی رہتی تھیں۔ ان کے دو صاحبزادے تھے، مولوی شمس الحسن صاحب، رؤف الحسن صاحب جو مولوی احتشام کے والد ہیں۔ ماموں رؤف الحسن حضرت اقدس رائے پوری سے اور ماموں شمس الحسن صاحب میرے

حضرت سے بیعت تھے۔ مولوی شمس الحسن آبکاری کے داروغہ تھے۔ ان کی باتیں بھی عجیب تھیں۔ وہ
اپنے افسروں سے لڑا کرتے تھے مگر رشوت کا کوئی پیسہ نہیں لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بڑے افسر نے ان
سے کہا کہ ہم تمہاری تنخواہ میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ غالباً دو روپے کے چار کرنا چاہتے تھا۔ انہوں نے
فرمایا کہ میری تنخواہ بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ میرے سوا اس تنخواہ کا ایک پیسہ بھی میرے خاندان کا کوئی
شخص استعمال نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ میری بیوی بھی میرے پیسے کو استعمال نہیں کرتی۔ چنانچہ ان کے چچا منظور
سے میل کرکے ان سے ملاقات کے لئے جاتے اور شام تک واپس چلے آتے اور یہ فرماتے کہ تمہارا
بھائی خسیس کے یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں اور تمہارے یہاں کھا نہیں سکتے۔

مولوی رؤف الحسن صاحب وکیل تھے مگر ان کی آمدنی کو خاندان کا کوئی شخص استعمال
نہیں کرتا تھا۔ اب تو ہم مولویوں نے سب جائز بنا رکھا ہے۔ مولوی رؤف الحسن صاحب اچھے
حافظ قرآن بھی تھے۔ ایک مرتبہ کاندھلہ گئے تو ابا جان نے ان سے کہا ۲۹ کا چاند نظر آیا تمہارے
بیٹھنے کا کیا فائدہ؟ قرآن سنادو۔ چنانچہ انہوں نے تراویح کے بعد نفل نماز کی پہلی رکعت میں پورا
قرآن پڑھ ڈالا۔ اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس پڑھ کر نماز پوری کی اور اپنے جوتے اٹھا
چل دیئے۔ اور یوں فرمایا کہ میرے بس کا تو تھا نہیں۔ مگر آپ کی خاطر میں نے اس طرح پڑھ ڈالا۔
ارشاد فرمایا کہ میرے دوستو! ناجائز آمدنی سے بچتے رہو۔

شعر — من نکردم شما حذر بکنید

ہم نے سنا ہے کہ جس کا رمضان اچھی طرح گزرتا ہے اس کا پورا سال اچھا گزرے گا۔

ایک بہاری مبلغ کا قصہ

ارشاد فرمایا۔ میرا ایک مخلص نوجوان عزیز بہار کا رہنے
والا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس کو چند درجات عطا فرمائے۔ پہلے اس کا جوڑ جماعت تبلیغ سے تھا۔
اخلاص کے ساتھ تعلقات ہیں سارے قرآن ختم ہو جاتے ہیں۔ حضرت مولانا کے انتقال کے
بعد اس کا تعلق مجھ سے قائم ہو گیا۔ اس میں قدرت تھا عجیب تھی۔ ایک یہ کہ روزانہ بہت پوچھا کرتا
تھا۔ قاری سید مرحوم مفتی اعظم مظاہر علوم اس کا بہت خیال کرتے تھے۔ جب وہ جاتا تو اس

کے مسائل کے جوابات دیتے تھے، وہ مبلغ تھے، جمعہ بھر گھومتا تھا، بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا مساجد بنوائیں، ان سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتے تو لکھ لیتا اور ہفتہ بھر کے بعد جواب دیتا، وہ کہا کرتا تھا، جتنی بیماریاں ہوتی ہیں، وہ سب سامان سے ہوتی ہیں، وہ اپنے سفر میں تین چار روٹیاں بچے کپڑے میں باندھ لیتا تھا، اور انہیں کو کھاتا تھا، اور جیسے دستر خوان پہ بھی وہ صرف روٹی کھاتا۔

دوسری بات یہ تھی کہ وہ بعض دفعہ مجھ پر بھی اعتراض کرتا تھا، مخلص آدمی جب اعتراض کرتا ہے تو تکلیف نہیں ہوتی وہ کہا کرتا تھا کہ جتنے پرچے آپ لکھا کرتے ہیں وہ پیسے ہی بچا کر دیں میں لگاتے تو کتنا فائدہ ہوتا، حضرت تھانوی، حضرت سہارنپوری تو بات نہیں کرتے تھے

پہلے مجمع کم ہوتا تھا، بعد کی مجلس کے گھر میں ہوتی تھی جلسے میں تو بچے آیا کرتے تھے، اور اب مجلس کی وجہ سے مجلس گئی وہ بچے ہوگئی ہے ایک مرتبہ وہ جمعہ کی مجلس میں آیا، اور کہنے لگا حضرت جی! جتنے لوگ گاؤں سے آتے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں اور مولوی جتنے آتے ہیں، وہ پیچھے سے بیٹھ جاتے ہیں، اس کے کہنے کے بعد میں نے خیال کیا تو ایسا ہی پایا۔

اس کا انتقال عجیب و غریب شان سے ہوا، وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا میرا حج کا ارادہ ہے، میرے پاس پیسے روپے کچھ زیادہ تو نہیں ہیں، مگر میں دلی تبلیغ کے لئے جا رہا ہوں، اگر وہاں سے جوڑ بیٹھ گیا، تو حج کو چلا جاؤں گا ورنہ تبلیغ کرتا رہوں گا، مگر کسی سے آپ ذکر نہ فرمائیں، لوگ اس کے بارے میں مجھ سے پوچھتے رہتے، میں ان سے کہتا کہ وہ تبلیغ میں گیا ہے، پھر اس کا بمبئی سے خط آیا کہ وہ سفر حج کے لئے روانہ ہوا، حج سے فراغت کے بعد اس کی واپسی ہوئی اور اسی میں سخت بیمار ہوا بمبئی میں احباب نے اس کا سامان وغیرہ دیکھ کر پتہ چلایا کہ اس کا یہاں سے بھی تعلق ہے، چنانچہ لوگوں نے ٹکٹ وغیرہ خرید کر اس کو ٹرین پر سوار کر دیا، وہ سہارنپور آیا اور یہاں سے وہ اپنے گاؤں چلا گیا، بیماری کی حالت میں اس کا ہر چیز صاف کرتی ہی جاتا، لوگ کہتے کہ پہلے تو کھاتا نہیں تھا اب کیا ہوگیا، میں نے کہا کہ جو اس کے مقدر میں ہے وہ تو کھا کر جائے گا۔

ایک بزرگ کا مجاہدہ ارشاد فرمایا۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا آپ

روزانہ کیا خرچ کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ سال بھر میں تین سو درہم۔ انہوں نے بتایا کہ ایک درہم کا شہد لیتا ہوں، اور ایک درہم کا چوٹا اور ایک درہم کا گھی اور اس کے ۳۶۰ لڈو بنا لیتا ہوں، روزانہ افطار میں ایک لڈو کھا لیتا ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ جن ایام میں روزہ نہ رکھتے ہوں گے ان میں بھی روزانہ ایک لڈو پر قناعت کرتے ہوں گے۔

صوفی عبدالرب کا قصہ ارشاد فرمایا: ایک صوفی عبدالرب صاحب اجازت حضرت اقدس تھانوی کے تھے۔ میرا روزانہ کا صرف پان کا خرچ تیس چالیس روپیہ تک کا ہوتا ہے پھر ہوا لکھنؤ سے ایک جماعت آئی اس میں مولانا علی میاں اور مولوی منظور نعمانی صاحب اور صوفی صاحب بھی تھے۔ چنانچہ علی میاں اور مولوی منظور صاحب نے جماعت والوں کو سمجھا دیا کہ تم لوگوں کا قیام تبلیغی مرکز کی مسجد میں رہے گا، دیکھو شیخ کی دعوت قبول نہ کرنا زیادہ بھیڑ ہو تو ایسے وقت ان کے یہاں کھانا کھا لینا، مگر ہم دونوں کے تو ایسے تعلقات ہیں کہ ہم تو وہیں رہیں گے، چونکہ سیدھے لکھنؤ والی ٹرین لکسر سے اکثر کالی لیٹ آتی ہے اور چھٹ جاتی ہے چنانچہ وہ لیٹ آئی۔ غالباً ڈیڑھ بجے گاڑی آئی، صوفی صاحب یہیں پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ میرے یہاں آ گئے۔ یہ حضرت رائپوری کے خلفاء میں حضرت منشی رحمت علی صاحب تھے، وہ فرماتے ہیں "مولوی کا دماغ جب چلے جب دستر خوان تو بچھ رہے دوسرے کا اور منتظر ہو اس کا، میرا تو یہ حال ہے میرا دماغ دوسرے کھانے پر خوب کھاتا ہے" ان حضرات نے دوپہر کا کھانا کھایا، صوفی صاحب نے کھانے کے بعد ان دونوں سے کہا کہ آپ لوگ جو کچھ کہیں، میں کھانا تو یہیں کھاؤں گا، چند روز وہاں تک قیام رہا جب وہ جانے لگے تو بہت دعائیں دیں۔ شاعر بھی تھے میرے ساتھ بھی شاعری ہوتی، انہوں نے بہت عمدہ باتیں روایت کیں، ایک تو میں بھول گیا الحمد للہ یاد ہیں ان میں کی ایک بات یہ تھی کہ تبلیغ والے کہتے ہیں کہ سب چھوڑ کر تبلیغ میں نکل جاؤ اور علماء کرام کہتے ہیں کہ حقوق کی ادائیگی، تم نے آپ کو بہت معتدل پایا، اس لئے جواب کی درخواست ہے۔ میں نے کہا کہ اگر گھر پر بیوی بچوں کے

کسانے کا انتظام ہو تو ضرور تبلیغ میں جانا چاہیے۔ اور اس کے خلاف مولویوں کی ایک نہ سننا۔ البتہ اگر نہ ہو جماعت میں جاؤ تو سب انتظام مکمل کر دو اور میں چلتے وقت بیوی سے تنہائی میں کہہ دو کہ سفر کا بہت اہم حصہ ہے۔ دل نہیں چاہ رہا ہے تیری یاد بہت پریشان کرے گی۔ کسی کام میں دل نہیں لگے گا۔ مگر تبلیغ کی ایسی ضرورت آگئی کہ جائے بغیر چارہ کار نہیں۔ جلدی سے جلدی واپسی کی کوشش کروں گا۔ یہ کہہ کر خوب ہنس کے مل کر چل دو۔ اور اس سفر سے تھوڑے تھوڑے وقفے میں ان کی محبت و یاد کے خطوط لکھتے رہو اور پھر واپسی پر سب سے پہلے آئی سے طو اور یہ کہو کہ سارے سفر میں تمہاری بہت یاد آئی کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ سب کاموں سے جان چھڑا کر خدا خدا کر کے آگیا ہوں اور اگر بیوی بچوں کا انتظام نہ ہو تو تبلیغ والوں کی باتوں پر عمل نہ کرنا۔ الغرض جب یہاں سے وہ لوگ اپنے وطن لاہور پہنچے تو ان کا اور ان کی بیوی دونوں کے خطوط آئے۔ انہوں نے لکھا کہ میں نے گھر پہ آ کر سب اچھی طرح دیا۔ چونکہ ہمارے یہاں بیوی کو خطاب کرنے کا تو کیسے تصور نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے ساتھ ہے لیکن یہ بات اس نیت سے کہ حضرت کے فرمائے ہوئے الفاظ میں برکت ہے وہ دوسرے لفظوں میں نہیں بلکہ بیوی سے وہی الفاظ کہے جو حضرت نے فرمائے تھے۔ اس کو یہ طرز خطاب بہت اچھا معلوم ہوا۔ اس نے پوچھا کہ "یہ سبق کس نے پڑھایا ہے؟" جب میں نے جناب کا ذکر کیا تو اس نے بھی شکریہ کا خط لکھا ہے۔

دوسری بات انہوں نے یہ دریافت فرمائی کہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو دست غیب حاصل ہے۔ میں نے آپ کی وکالت کی آمد اور مسجد کی خوب تحقیقات کیں۔ مگر دونوں کی آمدنی مدنظر رکھ کے دستر خوان کے خرچ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ میں نے کہا کہ دست غیب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی بھی چیز منگوانے والوں ادھار منگوائے اور معاوضہ نہ پوچھے بلکہ جس چیز کی ضرورت ہو منگوائے اور جب روپے کا مطالبہ کرے فوراً ادا کر دے۔ ایسے ہی معمول ہے قرض خوب ملتا ہے۔ مگر جب ادا کی کا اطمینان ہو۔

مہمانوں کی برکت سے حق تعالیٰ کھلاتا ہے

اس موقع پر احقر مرتب کو ایک واقعہ یاد آگیا جس کو مختصر ذکر کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ لکھنؤ کے ایک رئیس صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی آمد سے پیشتر ندوی حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے حضرت اقدس سے ان کی آمد کا تذکرہ کر دیا تھا۔ حضرت مولانا بھی سہارنپور تشریف لے گئے تھے۔ اور بھی کچھ اچھے خصوصی مہمان آگئے تھے۔ دوپہر کو دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے دیکھ کر ان رئیس صاحب نے کھانے کے دوران میں حضرت اقدس سے یکے بعد دیگرے کا سوال کیا: "حضور! طلبہ کے یہاں تو یہ تکلف نہیں ہوتے، کیا روزانہ کا یہی معمول ہے یا آج ہی کو؟ جناب کا ذریعہ معاش کیا ہے؟" اس پر حضرت نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ "حق تعالیٰ مہمانوں کی برکت سے مجھے کھلاتا ہے"۔ حضرت اقدس مدظلہم کے یہاں دیکھا گیا ہے کہ جس درجہ کے مہمان ہوتے ہیں ویسا ہی حق تعالیٰ شانہ انتظام بھی فرما دیتے ہیں۔ ان رئیس صاحب نے کہا کہ "حضرت! اگر جناب لکھنؤ تشریف لائیں گے تو ہم سے تو یہ اہتمام نہ ہو سکے گا۔" حضرت اقدس نے فرمایا "آپ اطمینان رکھیں، لکھنؤ آنے ہی کا نہیں۔"

چوتھی مجلس

۴ رمضان المبارک

جو بزرگوں کی ابتدا کو دیکھے وہ کامیاب
اور جو انتہا کو دیکھے وہ ناکام

آج چار افراد کی ایک جماعت ترکی سے آئی تھی اور امریکہ کی جماعت بھی تھی ایک صاحب ترکی میں اور دوسرے صاحب انگریزی میں ترجمانی کر رہے تھے۔

ارشاد فرمایا:۔ ہمارے حضرت اقدس رائے پوریؒ فرماتے تھے کہ جب دانت تھے تو چنے نہیں ملے اور جب چنے ملے تو دانت ہی نہ رہے، یعنی جب کھانے کا زمانہ تھا تو عسرت و تنگی تھی، اور جب فتوحات کے دروازے کھلے تو صحت و معدے نے جواب دے دیا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا:۔ ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے جو بزرگوں کی انتہا کو دیکھے وہ ناکام اور جو ابتدا کو دیکھے وہ کامیاب، اس لئے کہ ابتدائی زندگی مجاہدوں میں گزرتی ہے اور اخیر میں فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں۔ اگر کوئی ان فتوحات کو دیکھ کر آخری زندگی کو معیار بنائے تو وہ ناکام ہو جائے گا۔

اور یہ جملے کو حضرت نے بار بار دہرایا، اور ارشاد فرمایا میرے پیارو! اس پر غور کر لو اور تمام بزرگوں کی زندگی میں اس کا مطالعہ کر لو، خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی اخیر زندگی میں بہت فتوحات ہوئیں اور ابتدائی زندگی میں فاقے کرنے پڑے، یہاں تک کہ ایک دن ایک مخلص دوست سے دو پیسے قرض مانگے مگر اس نے عذر کر دیا، اس پر حضرت کو بہت رنج و قلق

دیکھا ہے حضرت شاہ صاحب کو ان سے خاص تعلق تھا، میرا چاند کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک رات فضا میں ایک روشن دان جا رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے چاند! اگر تم چاہو تو میں اسکو اتار لوں چنانچہ حکم دیا، وہ نیچے اتر آیا، اس میں ایک چیلا تھا جس میں بہت سی سوئیاں تھیں، حضرت نے فرمایا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ جادوگر۔ حضرت نے فرمایا کہ میری مانو گے یا جادوگری؟ اس نے کہا کہ آپ کی مانوں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ میری رائے ہے کہ جہاں سے تم آئے ہو وہیں واپس جاؤ چنانچہ وہ واپس گیا، سنا ہے کہ وہ جادوگر مر گیا۔ حضرت نے فرمایا، اس طرح اس کمبخت نے کتنے لوگوں کو ہلاک کیا ہوگا۔

اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا راستہ آسان ہے

ارشاد فرمایا۔ حدیث میں آیا ہے "بہت سے پراگندہ سر، غبار آلود جن کو دروازوں سے دھکا دیا جاتا ہے مگر وہ اللہ پر قسم کھالیں، تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھ لیتا ہے۔" آدمی ریاضت و مجاہدے سے یہ مقام حاصل کر سکتا ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے۔ لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل الخ آدمی نوافل کے ذریعہ برابر حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں، آگے مضمون کا یہ خلاصہ ہے کہ اس کے بعد اس کے ہاتھ پیر سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ اللہ جل شانہٗ کا راستہ بہت آسان ہے، تجربہ کیا ہے، اور لوگوں کو دیکھا بھی ہے۔

بسم اللہ راہ خدا بیش ز دو قدم نیست ——— یک قدم بر نفس خود نہ دیگرے بر کوئے دوست

ارشاد فرمایا۔ بھائی دیکھو، جو کچھ کرو، اللہ کی مرضی کے موافق کرو، اپنی مرضی کے موافق نہ کرو، کچھ کر لو، رمضان المبارک میں اس کی مشق کر لو۔ بڑے بزرگوں میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ملازمت نہ کرو، دوکان نہ کرو۔

حق تعالیٰ کی رضاجوئی واخلاص کی برکت

ارشاد فرمایا۔ ایک قصہ میں نے اپنے بچپن میں اپنے والد صاحب سے سنا اور کئی مرتبہ سنا اور میں نے بھی حدیث کے اسباق اور وعظ مستقل کی مجالس میں بیسیوں مرتبہ اس کو سنایا ہوگا، وہ یہ کہ قصبہ پانی پت کا ضلع کرنال ہے ان دونوں کے درمیان جمنا چلتی تھی۔ معلوم نہیں اب ایسا ہی ہے یا نہیں، جمنا کا دستور یہ ہے کہ خشکی کے زمانے میں لوگ جوتے ہاتھ میں لے کر پار ہو جاتے ہیں، جہاں پانی زیادہ ہو وہاں کشتیاں کھڑی رہتی ہیں، ملاح دو چار پیسے لے کر ادھر پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن جمنا جب طغیانی پر ہو تو پھر عبور ناممکن ہے۔ ایک شخص پانی پت کا رہنے والا جس کی بیوی کا مقدمہ کرنال میں تھا اور جمنا میں طغیانی کا نہایت زور، وہ ایک ایک ملاح کی خوشامد درآمد کرتا، ہر شخص کا ایک جواب کہ اس میں تیرے ساتھ اپنے آپ کو ڈبو دیں گے؟ وہ بیچارہ غریب پریشان روتا پھر رہا تھا۔ ایک شخص نے اس کی بدحالی دیکھ کر کہا کہ گھبراؤ مت میں تو ترکیب یہ بتاؤں، جمنا کے قریب فلاں جگہ ایک جھونپڑی پڑی ہوئی ہے اس میں ایک صاحب مجذوب قسم کے پڑے رہتے ہیں، ان کے پاس جا کر ہو جا خوشامد منت سماجت جو کچھ تجھ سے ہو سکے کسر نہ چھوڑنا، اور وہ جتنا بھی برا بھلا کہیں حتیٰ کہ اگر تجھے ماریں تو بھی منہ نہ موڑنا۔ چنانچہ یہ شخص ان کے پاس گیا اور ان سے خوشامد درآمد کی انہوں نے اپنی عادت کے موافق خوب ملامت کی کہ میں کوئی خدا ہوں۔ میں کیا کر سکتا ہوں، مگر جب یہ رونا ہی رہا اور بہت تڑپنے کا کچھ نتیجہ ہے تو مجھ کو نصیب فرمائے؟ اس پر مجذوب نے کہا کہ جمنا سے کہہ دے کہ اس شخص نے جس نے عمر بھر نہ کچھ کھایا نہ بیوی کے پاس گیا، اس نے بھیجا ہے کہ مجھے راستہ دے دے۔ چنانچہ یہ گیا اور جمنا سے جا کر کہا اور اس کا تو کام ہو گیا۔ اس میں کوئی استبعاد نہیں، پہلے انبیاء کے معجزات اس امت کی کرامات ہیں اور پانی پر چلنے کے قصے تو صحابہ کرامؓ کے بھی تواریخ میں منقول ہیں، اور کرامات صحابہؓ تو مستقل ایک رسالہ، حضرت تھانویؒ کے حکم سے لکھا گیا تھا، جس میں علاء بن حضرمیؓ صحابی کی ماتحتی میں ایک جہاد کسریٰ کا ہوا تھا سمندر میں گھوڑے ڈال دینا اور سمندر پار کر لینا جس میں زینوں کا نہ بھیگنا نقل کیا گیا ہے۔ عامل کسریٰ یہ دیکھ کر ایک کشتی میں بیٹھ کر یہ کہہ کر بھاگ گیا کہ ان سے ہم نہیں لڑ سکتے۔ اس واقعہ کو ابن

ان کے پاس لے جاؤ اور ان کو کھانا کھلاؤ۔ بیوی نے کہا کہ دریا گہرا ہے، میں اس کو کس طرح پار
کر کے دوسرے کنارے پر جاؤں گی، فرمایا کہ جب دریا میں قدم رکھنا تو میرا نام لے کر کہنا کہ اگر میرے
اور میرے شوہر میں وہ تعلق ہو جو زن و شوہر میں ہوا کرتا ہے تو مجھے ڈبو دے، ورنہ میں پار ہو جاؤں۔ اس
نے یہی کہا، یہ کہنا تھا کہ دریا پایاب ہو گیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں وہ دریا کے پار ہو گئیں۔ انہوں نے
کھانے کا خوان ان دوسرے بزرگ کو پیش کیا۔ انہوں نے اس کو اکیلے تناول فرما لیا، یعنی ختم کر لیا!
جب واپس ہونے کا وقت ہوا، تو ان کو فکر ہوئی کہ آنے کا وظیفہ تو مجھے معلوم ہو گیا، اب جاتے وقت
کیا کہوں؟ ان بزرگ نے ان کی پریشانی دیکھی تو ان سے دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں دریا کے کس
طرح پار ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ دریا کو کس طرح پار کیا تھا؟ انہوں نے کہا میرے شوہر نے
مجھے ہدایت کی تھی کہ میں اس طرح کہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اب جاتے وقت تو میرا نام لے کر کہنا کہ اس
نے ایک لقمہ بھی کھایا ہو، تو ڈوب جاؤں، ورنہ پار ہو جاؤں۔ چنانچہ وہ پار ہو گئیں۔ اب انہوں نے اپنے
شوہر سے پوچھا کہ آپ نے صاحب اولاد ہو کر خلاف واقعہ بات کیوں کہی؟ اور ان بزرگ نے آنکھوں
کے سامنے پورا کھانا تناول کرنے کے باوجود ایک لقمہ بھی کھانے سے انکار کیوں کیا، تو ان بزرگ
نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ کیا امر الٰہی سے کیا، اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کیا اور انہوں
نے جو کچھ کیا وہ بھی امر الٰہی سے کیا، اپنے نفس کا اس میں کچھ مقصد نہ تھا، اور دنیا جو کچھ کرتی ہے،
اور جس کا رواج ہے وہ نفس کے تقاضے کو پورا کرتا ہے، امر الٰہی پیش نظر نہیں ہوتا، اس لئے دنیا
جس کو ازدواجی تعلق اور شکم پروری اور لذت گوشی سمجھتی ہے ہم دونوں میں کوئی اس کا مرتکب نہیں
ہوا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ واقعہ وہی ہو، اس قسم کے واقعات متعدد ہو سکتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ سے اس قسم کے واقعات: پانی پر چلنا، دریا میں گھوڑوں کو اتار دینا مشہور ہیں۔

ہر نیکی صدقہ ہے ارشاد فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ
آدمی کے بدن میں ۳۶۰ جوڑ ہیں، جب آدمی صبح کو صحیح و سالم تندرست اٹھتا ہے، تو ہر
جوڑ کی صحت و سلامتی کے بدلے اس کے ذمہ ایک صدقہ (شکرانہ) واجب ہوتا ہے، اس حدیث میں

کہ تم کو یہ معلوم ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے، یہ بھی صدقہ ہے۔[1] اس روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ آدمی اپنی بیوی سے شہوت پوری کرتا ہے، اس میں صدقہ ہے؟ صحابہ کرامؓ کو اللہ جل شانہٗ بہت ہی درجات عالیہ عطا فرمائے اور ان کی شایان شان عطا فرمائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا ذرا سی بات دریافت کرکے امت کے لئے بہت کچھ ذخیرہ چھوڑ گئے حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کے اشکال پر یوں فرمایا کہ اگر اس پانی کو بے محل گرائے یعنی حرام کاری کرے تو کیا گناہ نہ ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ضرور ہوگا، تو حضورؐ نے فرمایا پھر یعنی اگر حرام سے بچنے کی نیت سے اپنی بیوی سے صحبت کرے تو پھر کیوں ثواب نہ ہوگا۔

تصوف کیا ہے؟ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا ایک قصہ

ارشاد فرمایا: مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رئیس الاحرار کے دیکھنے والے تو ابھی بہت ہوں گے اور سننے والے تو بہت زیادہ، مرحوم کو مجھ سے بہت زیادہ محبت ہوگئی تھی، اور تعلق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ بجائے دہلی کے سہارنپور میرے پاس رہنے کی تمنائیں بڑی کثرت سے کیا کرتے تھے، بلکہ اصرار بھی اور میں اپنے بیکار اور ان کے باکار ہونے کی وجہ سے اس کو کبھی قبول نہیں کرتا تھا، لیکن ابتداء میں میرے اور مرحوم کے تعلقات بہت ہی خراب تھے، ان کی تو مظاہر میں کبھی اس زمانے میں آمد نہیں ہوتی تھی، لیکن مجھے دیوبند کبھی کبھی حضرت قدس سرہٗ کا فرستادہ یا کتب خانے سے کسی کتاب کی تلاش میں یا اکابر ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے کسی بات میں مشورہ کے لئے جانا ہوتا تھا، رئیس الاحرار صاحب مجھ سے بہت واقف تھے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، مدرسہ کا مدرس ہوں، لیکن ان سے صرف اتنا واقف تھا کہ لدھیانہ کا کوئی طالب علم ہے جس کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی تعلق نہیں، لیڈری کرتا ہے، وہ چونکہ گھومتے رہتے تھے، اس واسطے میری دیوبند کی ہر مرتبہ کی آمد پر دو تین مرتبہ ان کا سامنا ہوتا تھا اور وہ بہت جلا کر مجھے سنا کر بہت ناراضگی کا اظہار کیا

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب صلوٰۃ الضحیٰ۔

کرتے تھے، اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ میں سیاست سے بالکل بے تعلق، اخبار بینی کا دشمن ہوں
اور اس زمانے میں دیوبند و سہارنپور میں اخبار بینی آئی بھی نہیں تھی، سہارنپور کا کوئی طالب علم یا مدرس
تو اخبار بینی جانتا ہی نہ تھا کہ کیا بلا ہے؟ حضرت قدس سرہٗ کی چارپائی پر عصر کے بعد دو چار اخبار
پڑے رہتے تھے، جن کو کوئی باہر کا مہمان اٹھا کر دیکھ لیتا تھا، دیوبند میں مولانا اعزاز علی صاحب
اور ان کے ہمنوا تو نہایت مخالف اور اخبار کے دشمن، لیکن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ مدرسین کوئی ایک
آدھ دیکھ لیتا تھا۔

رئیس الاحرار مرحوم جب مجھے دیکھتے دور سے غل کر کہتے "ایسے شخص کا وجود زمین پر بوجھ ہے
یہ مر کیوں نہیں جاتے، ان کے لئے زمین کا اندرون زمین کے بیرون سے بہتر ہے" وغیرہ وغیرہ
اور اس ناکارہ کی اتنی جرأت تو نہیں ہوتی تھی کہ پکار کے کچھ کہتا، مگر یک دو طالب علم جو مجھے
دیکھ کر میرے ساتھ ہو لیتے تھے، ان سے یہ کہلوا دیتا کہ جس شخص کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے
مدرسہ کا چندہ لیڈری کے واسطے نہیں آتا، جس شخص کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی واسطہ نہ ہو، مطالعہ
سبق سے کوئی کام نہ ہو اس کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے۔ مدرسہ کے اندر قیام ناجائز ہے، مدرسہ
کی چیزوں کی اعانت حاصل کرنا گناہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس پیام پر مرحوم اور بھی زیادہ برافروختہ ہوا کرتے
کئی سال یہی قصہ رہا۔ مگر اللہ جل شانہٗ نے ان کی دستگیری فرمائی، کہ اعلیٰ حضرت قدوۃ الاتقیاء
فخر الاولیاء حضرت الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے اخیر زمانۂ حیات میں
حضرت قدس سرہٗ سے الحاج شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ اس
زمانہ کا دستور یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت سے جو شخص بیعت ہونا چاہتا، ضعف زیادہ ہونے کی وجہ سے حضرت
خود توجہ فرماتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ بیعت کے الفاظ کہلا دیتے
تھے، بڑوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اثر سے خالی نہیں ہوتا چنانچہ یہ تعلق رنگ لائے بغیر نہیں رہا اور اخیر
میں تو رئیس الاحرار کو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے عشق کا تعلق ہو گیا تھا اور حضرتؒ
کی وجہ سے اس سیہ کار سے بھی، لیکن شروع کے چند سال ایسے گزرے کہ مرحوم اپنی سیاست میں رہتے

کلکتہ، بمبئی اور پشاور سے فیض والوں کی گزرگاہ تھی اور سہارنپور ہر گروہ کا جنکشن اس لیے جب سہارنپور سے گزر ہوتا تو ہم سفر واپسی یا ایک شب قیام کے لیے رائے پور بھی جاتے اس کے دیکھنے والے تو آج بھی سینکڑوں ہیں کہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کو اس سیہ کار کے ساتھ عشق کا سا تعلق تھا۔ جملہ معترضہ کے طور پر ایک واقعہ سناتا ہوں کہ میرے مخلص دوست صوفی اقبال پاکستانی ثم مدنی جو پاکستان میں ملازم تھے، جب حضرت رائے پوری پاکستان جاتے اور صوفی اقبال مجھے خط لکھتے تو بہت اصرار سے مجھے لکھا کرتے کہ خط کے جواب میں حضرت رائے پوری کو سلام ضرور لکھ دیجیو، اس لیے کہ جب میں جمعہ کے بعد مجلس میں یوں کہہ دیتا ہوں کہ "شیخ کا خط آیا ہے، حضرت کو سلام لکھا ہے" تو فوراً چارپائی کے قریب بلا لیا جاتا ہوں اور فوراً خیریت و حالات وغیرہ دریافت کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے مقرب تک چارپائی کے قریب بیٹھنا نصیب ہو جاتا ہے، اس تعلق کی بنا پر جب کوئی شخص ملنے کو حاضر ہوتا تو حضرت کا پہلا سوال یہ ہوتا "کہ شیخ سے مل کر آئے یا نہیں؟" اگر وہ کہتا کہ مل کر آیا ہوں۔ تو بڑی بشاشت سے بات پوچھتے، خیریت پوچھتے، کیا کر رہے تھے، کوئی پیام دیا ہے وغیرہ وغیرہ اور اگر وہ کہتا کہ نہیں مل کر آیا ہوں تو زیادہ التفات نہ فرماتے۔ بلکہ جیسا تعلق ہوتا ویسا برتاؤ کرتے اس بچے کو بہت سے ایسے لوگ جن میں بعض احباب بھی تھے باوجود ملنے نہ چاہنے کے نہایت گرانی کے ساتھ کھڑے کھڑے مصافحہ کرنا ضروری سمجھتے تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ مل کر آیا ہوں اور سلام عرض کیا ہے اور میں بھی اس قسم کے لوگوں سے باوجود ملنے نہ چاہنے کے چاہے کتنی ہی مشغولی کا وقت ہو اور کتنا ہی ضروری کام کر رہا ہوتا ضرور مل کر حضرت کی خدمت میں سلام عرض کر دیتا۔ بسا اوقات وہ جاکر کہہ دیتا کہ میں حاضر ہوا تھا مگر رسائی نہ ہوئی۔

رئیس الاحرار مرحوم سے کئی سال صرف اسی نوع کی ملاقات رہی۔ ایک مرتبہ دوپہر کے کوئی بارہ بجے اوپر کے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اوپر جاکر کہا کہ رئیس الاحرار آئے ہیں، وہ کہیں جا رہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا ہے، میں نے کہا جلدی بلا لے۔ مرحوم اوپر چڑھے اور نیچے سے سیڑھیاں چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر کہا کہ لائیے ہوچلا ہاتھ، اور ایک سوال آپ

سے کہے جا رہا ہوں، اور یہ سوال مجھ سے دریافت ہے، اس کا جواب آپ سوچ رکھیں، واپسی میں جواب لوں گا۔ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا صرف تصحیح نیت! اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتداء اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے ہوئی ہے اور انتہا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ہے، میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے دن سے یہ سوچتا آرہا ہوں کہ تو یہ جواب دے گا تو یہ اعتراض کروں گا، اور یہ اعتراض کرے گا تو یہ جواب دوں گا، اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں، میں نے کہا جاؤ، جانے والے کو کسی تقاضہ ہوگا، میرا بھی حرج ہو رہا ہے، یہ سوال تک اس پر اعتراض سوچتے رہیے اس کا خیال نہ رہے کہ رات میں مجھے کسی بات کا وقت نہیں ملے گا، دو چار منٹ کو تو دن میں بھی کر لوں گا، لیکن جب باہر گئے تو مغرب کے بعد ہو سکے گی۔ مرحوم مولوی صاحب دن تمام کو مغرب کے قریب آگئے اور کہا کہ کل رات تو ٹھہرنا مشکل تھا، اس لیے کہ لیے تو ان جلسے میں جانا ہے اور رات کو تمہارے پاس ٹھہرنا ضروری ہو گیا، اس لیے کہ ایک دن پہلے میں چلا آیا اور یہ بھی کہا کہ تمہیں معلوم ہے۔ مجھے نہ تم سے کسی عقیدت ہوئی، نہ محبت، میں نے کہا علیٰ ہٰذا القیاس۔ مرحوم نے کہا مگر تمہارے کل کے جواب نے مجھ پر بہت اثر کیا، اور میں کل سے اب تک سوچتا رہا، تمہارے جواب پر کوئی اعتراض مجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا ان شاء اللہ مرنا تک اعتراض ملنے کا بھی نہیں۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سارے تصوف کی ابتداء ہے، اور اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ سارے تصوف کا منتہا ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ ۔۔ متیٰ ما تلق من تہویٰ دع الدنیا واہملہا

میں نے کہا مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی کے لیے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے، ضرب بھی، مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے، اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے، اس کو کسی کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی

ذائقے میں سب کچھ موجودات تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی اس کے بعد اکابر اور حکما،
امت نے قلبی امراض کی کثرت کی بنا پر مختلف علاج جیسا کہ اطبا جسمانی امراض کے لئے تجویز کرتے
ہیں، روحانی طبیب روحانی امراض کے لئے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات
سے مستنبط ہیں، نسخے تجویز فرماتے ہیں، جو بعض کو بہت جلد نفع بخش ہوتے ہیں، بعض کو بہت دیر
لگتی ہے، حضرت حاجی صاحب مرحوم کو متعدد قصے سنائے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی۔"

سکتا اس لئے کہ دوسرے کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے، اتنا ضرور ہے کہ اگر یہ مصالح قدمہ چشم پوشی کریں، تو حق تعالیٰ شانہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرما دے گا لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں لیکن جرم کرنے والے کے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہو سکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر ہیں کہ ان سے معاف نہیں کرایا جا سکتا۔

مدارس کے معاملات میں ہمارے اکابر کی احتیاط و تورع

حضرت اقدس مدظلہم العالی نے اب سے کچھ عرصہ پہلے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حضرات اساتذہ و منتظمین و ملازمین کے لئے ایک مضمون لکھا تھا، جس میں اپنے قریبی اکابر و اسلاف کے کچھ واقعات ذکر کر کے دکھلایا تھا کہ مدارس کے معاملات میں ان حضرات کا رویہ کس قدر احتیاط و تورع کا تھا اور وہ خاص اس باب میں آخرت کے محاسبے سے کس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، یہ مضمون "آپ بیتی" ۷ کے اخیر میں طبع ہو چکا ہے، موقع کی مناسبت سے اس سے اخذ کر کے چند واقعات نقل کر رہا ہوں، حضرت اقدس نے بھی وقتاً فوقتاً ان واقعات کو اپنی مجالس میں سنائے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (بخاری و ترمذی کے محشی) جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے، اور وہاں کے قیام کی وجہ سے لوگوں سے حضرت مولانا کے خصوصی تعلقات تھے، تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمد و خرچ کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا، وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے دوست سے ملنے گیا تھا، اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا، لیکن میری نیت دوست سے ملنے کی تھی اس لئے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کر لیا جائے۔"

(۲) حضرت اقدس سیدی مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ جب یکبارگی قیام حجاز

کے بعد ۱۳۳۲ھ کے آخر میں مظاہر علوم میں واپس تشریف لائے، تو میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ۱۰ ذیقعدہ میں انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت نے مدرسہ سے تنخواہ لینے سے یہ تحریر فرما کر انکار کر دیا کہ میں اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے کئی سال سے مدرسہ کا کام پورا نہیں کر سکتا، لیکن اب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب میری نیابت میں دورہ کے اسباق پڑھاتے تھے۔ اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام نہیں کر سکتا اس لئے قبول تنخواہ سے معذور رہوں . . . .

(۳) مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ ہوتا تھا، میں نے اکابر مدرسین و ملازمین میں سے کبھی کسی کو جلسہ کے کھانے یا چندے پان کو کھاتے نہیں دیکھا، بلکہ مدرسین و ملازمین اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے اور حضرت قدس سرہ مدرسہ کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے، لیکن حضرت کے گھر سے دس بیس آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے۔ مدرسہ کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا۔ مولانا عنایت علی صاحب مہتمم مدرسہ شب و روز مدرسہ کے اندر رہتے، اور دن کو ظہر کے وقت اور رات کو ۱۲ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر بچا ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھا لیتے تھے۔

(۴) میرے والد صاحب حضرت مولانا محمد یحییٰ قدس سرہ کے زمانے میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا، نہ مدرسے قریب کسی نانبائی کی دوکان تھی، جامع مسجد کے قریب ایک نانبائی کی دوکان سے کھانا آیا کرتا تھا، سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کے تنور کے سامنے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیتے تھے، اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا، تو مہینہ میں دو تین روپے یہ فرما کر چندہ میں داخل کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے۔ تنخواہ تو میرے والد صاحب نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں۔

(۵) حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب مدرسہ مظاہر علوم کے مہتمم بھی تھے مفتی بھی تھے

بہ معاملہ الحق تمام کا مدار ان ہی کے ذمہ تھا، لیکن دفتر میں ان کے پاس دو قلمدان رہتے تھے، ایک ذاتی ایک
مدرسہ کا، ذاتی قلمدان میں کچھ ذاتی کاغذ بھی رکھے رہتے تھے۔ اپنے گھر کی عزیزوں کو جو خط ہوتا تو اپنے
قلمدان سے لکھتے تھے، مدرسے کے قلمدان سے کبھی نہیں لکھتے تھے۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم — اذا جمعتنا یا جریر المجامع

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے — نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر — انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے — انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں — پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھیں ہوں تو جلوت کا مزہ آئے

اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

مدارس میں اسباب تعیش کا میں مخالف ہوں۔

ارشاد فرمایا: مدرسہ بہاول اسٹرائک میں ایک مطالبہ تھا کہ دار الطلبہ کے صحن میں ایک بلب تمام رات کا ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ لگانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں، مگر ذرا ان درخواست کنندگان سے یہ پوچھو کہ ان کے گھر میں کیا جلتا ہے، چراغ ہی جلتا ہوگا۔

میں اپنے مدرسے میں بجلی کے پنکھوں کے لگانے کا مخالف رہا ہوں۔ حضرت ناظم صاحب مولانا عبد اللطیف رحمۃ اللہ علیہ رنگون سے مظاہر علوم میں بجلی کے پنکھوں کے لئے رقم لائے، میں نے عرض کیا کہ میری زندگی میں تو لگیں گے نہیں، بعد میں رنگون والوں نے مطالبہ کیا۔ میں نے کہا کہ اگر پیسوں کا مطالبہ ہے تو واپس کر دو۔ مگر بعد میں مولانا اسعد اللہ صاحب نے اپنے دور نظامت میں لگوا دیئے۔ مدرسہ والوں کا علم رہتا ہے کہ جب کہیں سے کچھ مل جاتا ہے، تو واپس نہیں کرتے۔

میری مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر ابتداء ہی سے طالب علم متنعم و معشوق رہے گا، تو کسی مسجد یا مدرسہ میں معمولی تنخواہ میں کیا کام کرے گا، بلکہ اس کو بھی تنخواہ چاہیئے، مگر یہ نہ ملے گی تو دکان وغیرہ کرے گا۔

چھٹی مجلس

۷ر رمضان المبارک

ہر چیز میں میری تقلید نہ کرو فرمایا: الحمد للہ مجھے بیماری میں پرہیز وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں پڑی، ایک مرتبہ مجھے پھنسیاں نکل آئی تھیں انسان ہے مل بیٹھی رہی تھی گنگوہ سے ایک حکیم صاحب آئے انہوں نے بھوک کا دھاپا پانی دیا، چونکہ وہ پہنچا پایا گیا تھا، انتہائی کڑوا ہو گیا تھا میں نے اس کو پیا مگر کسی طرح آرام نہیں ہوتا تھا، تمام مرچ وغیرہ میرے لئے حکیموں نے بند کر دیا۔ اس زمانے میں حکیم ایوب لدھوری کی نصیر الدین مجھ سے مقامات حریری پڑھتے تھے میں باہر کے کمرے میں ان کو پڑھاتا، میری والدہ نے تقریبوں کے لئے میری جیب میں کچھ پیسے ڈال رکھے تھے، مجھے زیادہ تنگ کرنے لگا تو میں نے مولوی نصیر کو پیسے دیے کہ بازار سے کباب لاؤ، اس میں خوب مرچیں تھیں، وہ کباب لایا اور میں نے خوب کھایا، دو ڈھائی گھنٹے تک تکلیف کی شدت سے موت یاد آ گئی تھی اس کے بعد قضاء حاجت کی ضرورت ہوئی اسی وقت ساری پھنسیاں خشک ہو گئیں میں جب باہر آیا تو لوگوں نے پوچھنا شروع کیا، میں نے کہا وہ دن کے بعد بتاؤں گا۔ بھائی تم لوگوں کو ہر چیز میں میری تقلید نہ کرنی چاہیے۔

راقم نے یہ واقعہ یوں سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ بیمار تھے، حضرت اقدس مد فیضہم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے معلوم ہوا کہ ان کو ۱۰۳ ڈگری بخار ہے، حضرت نے فرمایا ذرا مجھے تھرمامیٹر لگا کر دیکھو، چنانچہ لگایا گیا تو حضرت اقدس کو بھی ۱۰۳ ڈگری تک بخار تھا، اس پر حضرت ناظم صاحب اور دیگر خدام حیرت زدہ رہ گئے، اس لئے کہ اسباق اور معمولات میں کوئی فرق نہیں تھا۔

کتابوں کی رائلٹی ارشاد فرمایا: میری کتابوں پر کوئی رائلٹی نہیں ہے۔ طبع کرانے کی عام اجازت ہے۔ مگر صحت کا خاص اہتمام رکھا جائے کلکتہ کے ایک صاحب نے فضائل کی کتابوں کو طبع کرایا ایک جگہ اس میں ایک سطر درمیان سے چھوٹ گئی تھی اور وہاں کسی مسجد میں پڑھی جا رہی تھی ایک مولوی صاحب نے اعتراض کر دیا کہ یہ غلط ہے ان کا اعتراض صحیح تھا مگر عقیدت مندوں نے ایک ہنگامہ کر دیا کہ حضرت شیخ پر اعتراض؟ چنانچہ مجھے اطلاع کی گئی میں نے اس عبارت کی تحقیق و تصحیح کر کے وہاں مطلع کیا، تب جا کر جھگڑا ختم ہوا۔ بھائی میری کسی بات کی جب تک کسی مفتی سے تحقیق نہ کر لو میرا اتباع مت کرو۔

بغیر واقفیت کے مسائل میں رائے زنی گمراہ کن ہے ارشاد فرمایا: میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہم گرمی کے موسم میں ہم چھپروں کی مسجد میں رہتے تھے، اس زمانے کے طالب علم بڑے خدمت مند ہوتے تھے آج کل کی طرح نہیں کہ وہ اپنے کو طالب سمجھتے ہیں اور اپنا کام سمجھتے ہیں کہ استاد سے پڑھ رہے ہیں اس زمانے میں مظاہر علوم میں بنگالی طالب علم کثرت سے آتے تھے وہ خدمت کرتے تھے، پیر دباتے تھے ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں والد صاحب بیٹھ کر غسل فرما رہے تھے اور دو لوگ پانی کے ڈول نکال نکال کر ڈالتے جا رہے تھے محلے کے ایک رئیس صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ اسراف ہے، اس طرح غسل کرنا کہاں جائز ہے؟ والد صاحب نے فرمایا میرے لئے جائز ہے، ان کو حیرت ہوئی انہوں نے کہا کہ مولویوں کے لئے ہر چیز جائز کیوں؟ والد صاحب نے فرمایا کہ مولوی مسائل جانتا ہے اور تم ناواقف ہو اس وقت میرا یہ غسل تبرید (ٹھنڈک حاصل کرنے) کے لئے ہے۔ اس میں تین مرتبہ پانی ڈالنے کی قید نہیں۔

فرمایا: الاعتدال میں شامی کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے اور وہ گم ہو جائے اس کے بعد وہ دوسرا جانور قربانی کی نیت سے خریدے اور پھر پہلا جانور بھی مل جائے، اگر یہ شخص غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو اس کے ذمہ دونوں کی قربانی ضروری ہے اور اگر امیر ہو تو صرف ایک جانور کی قربانی کافی ہے، جس جانور کی دل چاہے

قربانی کرے اور دوسرے کو بیچ دے یا جو چاہے کرے۔

مسئلہ بالکل صاف ہے، لیکن یہ اصول سے واقفیت پر مبنی ہے۔ بعض قرابات اس میں کیا تغیر چلائے۔ دوسرا مسئلہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں رکوع کرنا بھول جائے، سجدہ کے بعد یاد آئے، اگر اس نے سنت کے موافق حنفی اور ٹھیک لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے تو فاسد ہوگئی اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر خلاف سنت نماز پڑھی ہے، ناواقف لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ آج کل پڑھتے ہیں، تو نماز ہوگئی۔

کیا روشن دماغ یا شستہ تقاریر و تحریرات سے بلا واقفیت اصول و حقائق شرعیہ اس نوع کے مسائل میں رائے زنی ہو سکتی ہے؟

فرمایا: میری ایک بچی نے قاعدہ بغدادی شروع کیا، اس میں آن، بان کی تختی آئی، اس میں جب ہمزہ پر پیش تھی، تو ہمزہ اُن پڑھا۔ اس کی ماں نے کہا کہ یہ آن ہے، مگر وہ اصرار کرتی رہی کہ اس پر ہمزہ اُن ہونا چاہیے۔ ماں پریشان ہوئی، اور اس نے کہا جب تیرے ابا آئیں گے، تو ان سے پوچھ لینا۔ جب میں گیا تو اس نے وہی عذر عرض کیا، میں نے کہا بیٹی ابھی تیری سمجھ تھوڑی ہے، ابھی تو تم آن پڑھو، بڑی ہونے کے بعد سمجھ میں آجائے گی۔ بہرحال مسائل شرعیہ کے قاعدے واقفیت کے بغیر رائے زنی گمراہ کن ہے۔

خوارق پر صبر جمیل ارشاد فرمایا: میرے والد صاحب کا ۱۵ رمضان المبارک شب کو انتقال ہوا، اور میری والدہ صاحبہ کا بھی اگلے سال ۱۵ ہی رمضان ۱۳۲۲ھ کو وصال ہوا۔ میں حکیم ایوب صاحب کی مسجد میں تراویح پڑھاتا تھا۔ میرے حضرت کا تقاضا تھا کہ میں حضرت کے ساتھ پڑھا کروں اور حکیم اسحٰق صاحب کا اصرار تھا کہ میں ان کی مسجد میں پڑھایا کروں۔ چنانچہ میں آدھ گھنٹہ میں سب نمازیں پڑھ کر حضرت کی تراویح کی پہلی رکعت میں آکر شامل ہو جایا کرتا تھا۔ تراویح کے بعد کھانا کھانے کا معمول تھا، مگر والدہ صاحبہ نے اپنے انتقال کی شب میں مجھے اصرار سے تراویح کے پہلے کھانا کھلا دیا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد حکیم صاحب نے مجھ سے کہا کہ گھر پر والدہ صاحبہ

کہ دیکھو حضرت کے یہاں جاؤ۔ مجھے اندازہ تو ہو ہی چکا تھا چنانچہ جب میں گھر پر حاضر ہوا تو عزیز کا انتقال ہو چکا تھا۔ میرے حضرت پر میرے عزیز کا بہت اثر ہوا تھا۔ میری پہلی بیوی کی بچی امۃ اللہ کا انتقال ہی نظام الدین میں ایک بچہ پیدا ہونے اور اس کے انتقال کی خبر ساتھ ہی پہنچی۔ میں اس وقت "فضائل الحمد" لکھنے کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا مجھ سے تو لکھا نہیں جاتا۔ حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الجنائز میں دو باب قائم کئے ہیں۔ ایک باب ہے "من جلس عند المصیبة یعرف فیه الحزن" ص ۱۷۳ اور دوسرا باب ہے "من لم یظهر حزنه عند المصیبة" ص ۱۷۴۔ پہلے باب میں حضرت جعفرؓ موتہ کی شہادت کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب اس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور دوسرے باب میں ایک صحابیہؓ کا واقعہ ذکر کیا ہے جب ان کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوا تو انہوں نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ بچہ کا انتقال رات میں ہوا اور صبح کو اپنے شوہر کو اطلاع دی۔

اس حادثہ پر مولوی یوسف مرحوم نے مجھے ایک نہایت رنج و غم کا خط لکھا۔ میں نے ان کو ڈانٹ کر جواب تحریر کیا کہ اس قدر غم نہیں کرنا چاہئے۔ جب اس کا علم میرے چچا جان کو ہوا تو انہوں نے مجھے تنبیہ و ڈانٹ کا خط لکھا۔ میں نے جواب میں لکھا کہ بخاری کے پہلے باب پر میرے حضرت کا عمل ہے اور دوسرے پر میرا۔ اس پر انہوں نے مجھے تنبیہ کا خط لکھا۔

جب حضرت اقدس کو والدہ مرحومہ کے انتقال کا علم ہوا تو حضرت اعتکاف میں تھے۔ فرمایا استغنی تو اچھا نہیں لگتا۔ چنانچہ جناب کے تعلق سے باہر تشریف لائے اور وضو کر کے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز میں "الحقہ بالطیف" فرمایا۔ حضرت کے پیچھے دس بارہ حفاظ قرآن سنتے تھے۔ ایک مرتبہ میں اپنی مسجد میں تراویح ختم کر کے آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت کی مسجد میں تراویح ہو رہی ہے۔ میں نماز میں شریک ہو گیا۔ چنانچہ حضرت نے نماز میں سورۂ طلاق کی آیت "یا ایھا النبی" سے ختم شروع کی۔ میں نے لقمہ دیا "یا ایھا الذین آمنوا"۔ حفاظ نے تصحیح کی۔ نماز ختم کرنے کے بعد حضرت نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس طرح لقمہ کیوں دیا؟ میں نے عرض کیا کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ

کے سارے صیغے جمع کئے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ بہیا اس میں بھی اجتہاد کیا جاتا ہے۔

بے سجادہ رنگین کن ۔۔ الخ کا مطلب

ارشاد فرمایا۔ اگر جزئیات کی چیزوں پر بغیر تحقیق کے اعتراض کرنا مناسب ہے اور نہ عمل کرنا مناسب ہے

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

یہ شعر تو بجز حقیقت ہے، پھر اس شعر کی تشریح فرمائی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے کسی مولوی صاحب نے اس کا مطلب پوچھا اور بہت اصرار کیا، حضرت نے ان کو دس روپے دیئے اور کہا کہ فلاں گلی میں جاؤ۔ وہاں جو حسین و جمیل عورت ملے اس سے تعلق جوڑ لینا، چنانچہ وہ گئے، اور اس قسم کی ایک عورت کا پتہ معلوم کیا اس کے پاس پہنچے، اور اس کو دس روپے دیئے مگر وہ عورت رونے لگی۔ انہیں حیرت ہوئی، انہوں نے اس سے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ یہ قبیح کام میں نے کبھی نہیں کیا ہے، انہوں نے اس سے کہا کہ تم پھر یہاں کیسے آگئی ہو؟ اس نے کہا کہ نکاح کے بعد رخصت ہو کر میں برات کے ساتھ جا رہی تھی، راستے میں ڈاکو آ پہنچے برات کو لوٹا اور مجھے یہاں لا کر فروخت کر دیا، مولوی صاحب نے اس کے والد کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ انہی کی بیوی ہے اور یہ مولوی صاحب ہی اس کے شوہر ہیں۔

عملیات و تعویذات

فرمایا۔ میرے نانا مولوی یوسف صاحب تھے، ان کے پاس بہت سے تعویذات تھے، انھیں عملیات میں بہت مہارت تھی ان کی بیاض میں نے دیکھی ہے۔ ان کے پاس ایک عمل تھا، جب کوئی بیمار ہوتا تھا جس کے علاج سے اطباء عاجز ہو جاتے تو ان سے رجوع کیا جاتا چنانچہ وہ عمل کرتے تھے۔ وہ اعمال لکھنے کے بعد یا تو مریض اچھا ہو جاتا یا مر جاتا، اگر اچھا ہوتا تو پتہ لگتا کہ جیسے بھوک لگی ہے۔ میں نے بھی کئی مرتبہ دیکھا ہے۔

ان کا ایک عمل چور کے لئے تھا، جب اس کے بارے میں ان سے کہا جاتا تو وہ نام لکھا کرتے اور فرماتے سب تم ہی کھاؤ گے، چور نہیں کھائے گا، مگر جب کبھی عمل شروع کرتے، تو چور

کو درست کرانے آتے تھے وہ اس کی تحقیق کراتے، جب پتہ معلوم ہو جاتا تو چونکہ یہ علم کھلونا ہے، کہ
نہ دو، چیزیں واپس کر دو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ البتہ چونکہ ہم انہیں بتاتے تھے۔

انہوں نے مجھ سے ۔ صاحب نے فرمایا کہ یہ تعویذات و عملیات میری عمر بھر کی کمائی ہیں
تم مجھ کو یہ مرتبہ سنا دو تو میں اجازت دے دوں میں طالب علم تھا، مجھے اس سے
کوئی دلچسپی نہیں تھی البتہ میں اپنے حضرت کے حکم و اجازت سے تعویذات لکھنا شروع کیا۔

ساتویں مجلس

۸ر رمضان المبارک

حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت اور ذکر میں انہماک

ارشاد فرمایا: شوال ۱۳۴۴ھ میں میرے حضرت سہارنپوری حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنے طویل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس کا قصد فرما رہے تھے لوگ کثرت سے بیعت ہو رہے تھے۔ مجھے بھی بچوں کی طرح دیکھا دیکھی اس کا جذبہ پیدا ہوا۔ حضرت سے جا کر عرض کیا حضرت نے فرمایا کہ جب میں مغرب کے بعد نفلوں سے فارغ ہو جاؤں، اس وقت آ جانا۔ مولانا عبید اللہ گنگوہی جو خلافت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے، انہوں نے بھی تجدید بیعت کی درخواست کر رکھی تھی حضرت نے فراغت کے بعد ہم دونوں کو قریب بلایا اور اپنے دونوں ہاتھ ہم دونوں کو پکڑا دیئے اور بیعت کے الفاظ کہلوانے شروع کئے۔ مولانا عبید اللہ صاحب نے ہچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مار کر رونا شروع کیا جس کا اثر حضرت پر بھی تھا، حضرت کی آواز بھر گئی اس وقت والد صاحب اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اور حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہٗ اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ والد صاحب میری آواز سن کر منڈیر پر دیکھنے کے لئے آ گئے۔ دیکھا تو میں بیعت ہو رہا تھا۔ اس پر انہیں بہت تعجب ہوا۔ اور ناراض ہوا کہ بلا علم و اطلاع کے اتنا بڑا کام کر لیا لیکن حضرت رائپوریؒ نے تصویب فرمائی اور بہت دعائیں دیں۔

جب بذل المجہود کی طباعت کا معاملہ آیا تو پہلے اس کا انتظام میرٹھ میں شروع کیا گیا۔ اس

کے بعد تھانہ بھون میں مولانا شبیر علی صاحب کے پریس میں اس کو منتقل کر دیا گیا۔ اس زمانے میں میرا معمول تھا کہ جمعرات کی شام کو تھانہ بھون جاتا اور سنیچر کی صبح کو واپس آتا۔ یہ سلسلہ ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک مرتبہ پیش آتا۔ اس میں جب کبھی اتوار کو پریس کی چھٹی نہ ہوتی تو ایک آدھ دن بڑھ جاتا۔ میں نے بیعت کے بعد ذکر و شغل نہیں کیا۔ میرے چچا جان میرے مربی تھے، فرمایا کرتے تھے کہ کچھ تھوڑا بہت ذکر و شغل کر لیا کرو۔ میں نے کہا ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ میں مشکوٰۃ شریف پڑھاؤں اور اس کو مطالعہ کروں یا ذکر و شغل کروں۔ مگر تھانہ بھون کے اس سفر میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی جو میرے استاد بھی ہیں، نحو میر وغیرہ میں نے ان سے پڑھی ہے۔ اس زمانے میں ان کو نئی نئی خلافت ملی تھی۔ بہت خواب و مکاشفے وغیرہ سنایا کرتے تھے۔ ہم لوگ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دن ایک پرچہ پر میرے لئے اجازت نامہ لکھ دیا۔ میں نے انکار کیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ وہ فرمانے لگے کہ ایسے ہی کہا جاتا ہے۔ میں اپنے دل میں یہ سوچتا رہا کہ اگر اسی طرح اجازت مل جاتی ہے تو یہ بہت آسان چیز ہے۔ مگر مولانا ظفر احمد صاحب کے اجازت نامہ کے بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کچھ ذکر و شغل کرنا چاہئے۔ میں نے حضرت سہارنپوریؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو کچھ دن مدرسے سے چھٹی لے کر میں ذکر و شغل کر لوں۔ حضرت نے جواب دیا کہ مدرسے سے چھٹی لینے کی ضرورت نہیں، تعلیمی مشاغل کے ساتھ کچھ کر لیا کرو۔ چنانچہ میں نے شروع کر دیا۔ اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ذکر و تعلیم دونوں کو ایک ساتھ نباہا جا سکتا ہے۔ حضرت اقدس گنگوہیؒ کو بھی حضرت حاجیؒ صاحب نے جب اجازت دی تو فرمایا کہ ہم تو جو کچھ کرنا تھا کر چکے، آگے تمہارا کام ہے۔" حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں، پھر تو میں مر گیا۔"

سالک اسے کہتے ہیں جو چلتا رہے۔ آخر زندگی تک آدمی کو کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

اے برادر بے نہایت درگہیست — ہر چہ بروے می رسی بروے مایست

ارشاد فرمایا: میں ذکر و شغل کا نہیں تھا، مجھے کیا خبر تھی کہ سب چیزیں چل دیں گے اور تم لوگوں کے لئے میں ہی رہ جاؤں گا۔

بڑے درد وقت سے فرمایا:۔ اگر مجھے کچھ تکلیف ہو جائے اور تم میں سے کسی کو نامرد ہو جائے فوراً میں تیار۔

اوقات کی قدر و قیمت فرمایا:۔ اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت مل گیا ہے اس کی قدر پہچاننی چاہیئے۔ حدیث میں آیا ہے "فلیتزود العبد من نفسہ لنفسہ ومن حیاتہ لموتہ ومن شبابہ لکبرہ ومن الدنیا للآخرۃ" الخ "بندے کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے لئے، اور زندگی میں موت سے پہلے اور جوانی میں اپنے بڑھاپے سے پہلے اور اس دنیا میں آخرت سے پہلے زادِ راہ تیار کرلے۔

تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے
یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

آٹھویں مجلس

۸ / رمضان المبارک

حضرت مدنیؒ و حضرت رائے پوریؒ کے اخلاق آج کھانا کھانے کے دوران میں ایک بہت
اہتمام میں ۲ آدمیوں کا کھانا پکانا بڑا مجمع بغیر اطلاع کے آ گیا تھا، اس
لئے کھانا کم ہو گیا تھا، خدام بھی باقی رہ گئے، اس کی حضرت کو بہت فکر ہوئی اور کھانے کا انتظام کیا گیا
ارشاد فرمایا: حضرت اقدس مدنیؒ و حضرت اقدس رائے پوریؒ کو حق تعالیٰ شانہ نے بہت بلند درجے
عطا فرمائے۔ اکابر میں سے حضرت شیخ الہندؒ کا زمانہ بہت کم پایا۔ ۱۳۳۳ھ تک تو گویا ہم قید میں
رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ ۱۳۳۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں سے سات سال کیلئے
مالٹا جیل میں اسیر بنا کر بھیج دیئے گئے اور مالٹا سے واپسی کے بعد ڈیڑھ سال جلد رہے۔ اس
کے بعد انتقال ہو گیا۔

حضرت اقدس مدنیؒ کا معمول تھا کہ جب کبھی لکھنؤ یا دہلی کی طرف جانا ہوتا تو میرے
مکان پر ضرور ہو کر تشریف لے جاتے خواہ دس منٹ کے لئے ہو۔ ایک مرتبہ ۱۰ بجے رات میں جبکہ
بارش میں تشریف لائے اور آ کر فرمایا کھولو، کھولو، میں نے کہا کون؟ جب دروازہ کھولا تو فرمایا آج
گاڑی دو گھنٹہ لیٹ تھی، میں نے سوچا کہ تمہارا درشن کرتا جاؤں۔ میں نے دریافت پر حضرت سے عرض
کیا کہ ان مبارک ہونٹوں سے یہ الفاظ اچھے نہیں لگتے، پھر میں نے چائے پلائی۔
ایک مرتبہ ۱۲ بجے دن میں تشریف لائے، ملاقات پر میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا

جب میں نے اس کی کوشش کی تو اس کا موقع نہیں دیا، حضرت کے پیچھے مولانا مبارک صاحب تھے
اور ان کے پیچھے اور کچھ حضرات تھے جن کی تعداد گیارہ تھی، مصافحہ ہوا، میں نے عرض کیا کھانا؟
حضرت نے فرمایا کہ اگر کھانا کھانا ہوتا تو ہم تمہارے یہاں کیوں آتے؟ میں ننگے پاؤں جلدی سے اندر
گیا، میری بیوی بچیاں اب بس تقاضہ کرتی ہیں کہ مہمانوں کا سالن ہم پکا دیا کریں، میں ان سے کہتا تھا کہ بیس
پچیس آدمی ہوتے تو خیر فکر نہ تھا، مگر ان پانچ سو کا دیگ پکانا مشکل ہے، ان کا مستقل اصرار ہے کہ بھائی
کا کوئی کام جلد سے فوری کیا جائے۔

بہرحال جب میں اندر گیا تو گھر والوں نے بتایا کہ اس وقت دال و سالن کوئی چیز موجود نہیں
آٹا موجود تھا، میں نے کہا کہ اس کو گوندھو، میں جلدی سے سالن کے قسم کی کوئی چیز خرید کر لاتا ہوں،
میں باہر آیا تو ہمارا صوفی گوشت والا آ رہا تھا، اس نے کہا کہ قیمہ کا دو سیر گوشت ہے، میں اس کو لے کر
اندر آیا، آٹا گوندھا جا چکا تھا اور پتیلی میں گھی و مسالہ ڈالا جا چکا تھا، انہوں نے جلدی سے اس میں
گوشت دھو کر ڈالا، یہ میری کرامت سمجھو یا حضرت مدنی کی، میں اندر سے باہر آیا، وہاں لوگوں کا ہاتھ
دھلایا، یہ حضرات ۱۲ نفر تھے، دس منٹ میں دسترخوان پر گرم گرم روٹیاں و قیمہ آگیا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں، میں
نے دسترخوان پر ان حضرات کو بٹھا دیا، حضرت علامہ ابراہیم صاحب نے فرمایا: کیا آپ کو ہمارے آنے کی
اطلاع تھی؟ یا آپ کو کشف ہو گیا تھا، میں نے کہا آپ کے اس گھر میں آنے کے بعد گوشت خریدا گیا ہے،
انہیں تعجب ہوا، فرمایا کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی، میں نے کہا کہ ساری باتیں معقولات سے تعلق نہیں رکھتیں
متعلق تھا، حضرت نے بھی فرمایا یہ دال کھاؤ، پھر حضرت نے یہ فرمایا کہ میں مولانا محمد اسحاق صاحب [illegible]
حضرت لاہوری کے بھتیجے دارالعلوم کے ممبر شوریٰ کی تعزیت کے لئے رائے پور جا رہا ہوں، تنہا آ رہا تھا جب
ان لوگوں کو معلوم ہوا تو یہ بھی ساتھ ہو گئے۔

ایک مرتبہ ظہر کے بعد میری مجلس میں ۲۰، ۳۰ آدمی آ گئے، میں نے کہا کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے
بتایا کہ ہم رڑکی سے آ رہے ہیں، وہاں جلسہ ہے آپ کو لے جانا چاہتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ ناظم
صاحب کو لے جاؤ، میں تقریر کا آدمی نہیں، اور دیکھو میرے باپ نے تقریر کی، مگر جب انہوں نے بہت اصرار

گیا تو میں نے ناراضگی کا اظہار کیا، وہ سب چلے گئے، ان میں کا ایک آدمی رہ گیا اس نے کہا کہ ہم دیوبند سے آرہے ہیں۔ جلسے میں حضرت مدنیؒ تشریف لانے والے تھے مگر حضرت کی طبیعت خراب ہے، ہم نے اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بشرطیکہ حضرت شیخ الحدیث چلیں تو میں آسکتا ہوں اس لئے یہ سب لوگ حاضر ہوئے تھے۔

اس طرح کے کئی واقعات حضرت مدنیؒ کے سنائے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی ۔

فرمایا۔ حضرت اقدس رائپوریؒ کا اپنی عمر کے اخیر میں جو یہاں کا سلسلہ پانچ چھ سال تک جاری رہا پیام آیا کرو دیکھو جب تک میری صحت تھی میں ہر مہینہ آپ کی زیارت و ملاقات کے لئے آیا کرتا تھا حضرت کا معمول تھا کہ ہر مہینے میں تین دن کے لئے یہاں تشریف لاتے تھے اب تمہاری زیارت تمہارے ہاتھ میں ہے میں نے اس کو خوب نبھایا۔

مولوی یوسف صاحبؒ اپنے ایک سفر حج میں مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے میں نے ان سے کہا کہ تم جاؤ۔ اگر کچھ ہوا تو میں حضرت کے ساتھ آجاؤں گا۔ حضرت کی طبیعت اس زمانے میں زیادہ خراب تھی، بیٹ ہاؤس میں قیام تھا میں نے حضرت سے عرض کیا کہ دو تین دن کے لئے نظام الدین جانا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے میرا انتقال ہو جائے جب میں نے یہ دیکھا تو اپنا سفر ملتوی کر دیا۔ حضرت کا قیام تین مہینے رہا میں روزانہ سبق پڑھا کر بیٹ ہاؤس جاتا تھا۔

فرمایا: یہ لوگ حضرات بڑے تحمل و دلداری کے تھے۔

ارشاد فرمایا:۔ ایک مرتبہ حضرت رائپوریؒ پنجاب سے تشریف لا رہے تھے۔ اور سہارنپور میں ایک تبلیغی جلسہ ہو رہا تھا، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی اسلامیہ اسکول میں تقریر تھی جلسہ سے فارغ ہو کر دو بجے رات کو ہم لوگ حضرت کو لینے اسٹیشن گئے، میں نے شاہ مسعود سے کہا کہ صبح کی نماز سے پہلے ہی اپنی موٹر یہاں لانا، تاکہ نماز کے بعد فوراً حضرت رائے پور تشریف لے جائیں کہیں حضرت نور اللہ مرقدہ نے سن لیا تو فرمایا کہ "میں نے تو دو تین روز قیام کا قصد کیا تھا" میں نے عرض کیا کہ بالکل نہیں، صبح کی نماز سے پہلے چلے جائیے یا کر رخصت ہو جائیے یہاں الامان کہ بہت تاؤ آیا ہوا تھا

عبدالعزیز صاحب نے بھی میاں نیاپ سے ناگواری کا اظہار کیا۔ بہرحال حضرت رائے پور تشریف لے گئے تو وہاں کے حضرات سے فرمایا کہ دیکھو محبت کی باتیں ہیں، مجھے گرمی کی شدت سے ، سہارنپور ٹھیرنے نہیں دیا۔

رمضان المبارک میں قلتِ طعام سے ضعف نہیں پیدا ہوتا ارشاد فرمایا: کہ میرا تجربہ ہے کہ روزے سے قوت آتی ہے اور غیر رمضان میں فاقہ سے ضعف پیدا ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صومِ وصال رکھا اور چند دن صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کے ساتھ رکھا، مگر آپ نے صحابہ کرامؓ کو منع فرما دیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ بعض غزوات میں بھوک کی شدت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطنِ مبارک پر دو پتھر باندھنے پڑے۔ بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے میرے نزدیک ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلا واقعہ رمضان کا ہے اور دوسرا غیر رمضان کا۔

امام بخاریؒ نے تین دن تک ایک ایک بادام پر گزر کیا، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے بارے میں سنا ہے کہ رمضان المبارک میں بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا اور کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ نے لجاجت سے عرض کیا کہ حضرت ضعف بہت بڑھ جائے گا حضرت کچھ تناول نہیں فرماتے؟ حضرت نے فرمایا: "الحمد للہ جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے"۔

فرمایا: میاں ابن الحسن سلّمہ بے کھانے پینے کا عادی ہو گیا ہے، میں کہا کرتا ہوں کہ تقلیلِ طعام حکیم کے مشورے کے بغیر کوئی نہ کرے۔

محبت کی تنقید بری نہیں معلوم ہوتی ارشاد فرمایا۔ مجھے اپنے اوپر تنقید بری نہیں
لگتی بشرطیکہ اخلاص و محبت سے ہو۔ میرے دوستوں میں قاری سعید صاحب (مفتی اعظم مظاہر علوم)
میرے مخلص تھے، ان سے زمانۂ طالب علمی میں میری لڑائی رہی ہے۔ مجھ سے ابتدا میں ان کے تعلقات
کچھ اچھے نہیں تھے۔ اس لئے کہ وہ بھی صاحبزادے تھے، استاذی قاری محمد حسین استاذ اسکول کے فرزند
شاگرد تھے۔ قاری صاحب حضرت گنگوہیؒ کے مرید تھے اور ایسے تھے کہ وہ حضرت مدنیؒ کو بھی ٹوک دیا کرتے
تھے، فرماتے تھے کہ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد بھی آپ کو خضاب کی ضرورت
ہے؟ میرے یہاں صاحبزادوں کی پامالی خاص طور سے ہوتی تھی، قاری سعید مرحوم [illegible] میں مدرسہ
کے نائب مفتی مقرر کئے گئے۔ اس سے پہلے مدرس تھے اور قاری محمد حسین صاحب نے میرے حضرت اقدسؒ
کے انتقال کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ وہ رمضان المبارک میں ظہر کے بعد کا قرآن سنتے تھے، ایک دن
راستے میں قاری سعید صاحب سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے کہا کہ رمضان میں میرے چند پارے
سن لیا کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ بشرطیکہ ناظم صاحب اجازت دیں، مجھے یہ جواب بہت پسند آیا، چنانچہ
ناظم صاحب کی اجازت کے بعد جمعہ کے بعد وہ میرا قرآن سنتے تھے، چند مہینے کے بعد [illegible] میں
مدرسہ کا جھگڑا تھا، ناظم صاحب (حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ) اور میں ان دنوں اس مدرسہ کے
سرپرست تھے میں نے جلسہ میں شرکت سے انکار کر دیا، ناظم صاحب کو بھی بروقت کوئی عذر پیش
آ گیا، بالآخر ہم دونوں نے طے کیا کہ اپنی طرف سے قاری سعید صاحب کو نمائندہ بنا کر بھیجیں گے
اور یہ وہاں کے معاملات کو طے کریں گے، اگر کوئی اہم مسئلہ ہوگا تو ہم خود ان سے مشورہ کر لیں گے، ہم نے
یہ طے کر دیا، مگر قاری سعید صاحب عذر کرتے رہے کہ میں مدرسہ کا رہنے والا ہوں، کسی باہر کو بھیجنا
مناسب ہوگا۔ مگر ہم بزرگوں نے انہیں کو بھیجا، اس زمانے میں پہلے آپ کو مدرسہ کے ہر کام کا علم نہیں
تا چند روز سمجھتا تھا، البتہ پتا اختلاف کبھی نہیں کیا، جب کتب خانہ جاتا، ہر ایک کام کو دیکھتا اگر
کوئی بات معلوم ہوتی تو ناظم صاحب کے ذریعے تحریر جاری کراتا، ناظم صاحب اس کو تحریر لکھ دیتے
اور اس سے فرماتے کہ تشریح خط اور لیتے تھے ہم بھی نہ بولتے، میں جب کتب خانہ گیا تو وہاں رجسٹر میں

میں قاری سعید صاحب کی تین دن کی رخصت لکھی ہوئی تھی نماز میں اوپر سے نیچے آیا اور قاری
سعید صاحب سے مطالبہ کیا کہ تم نے رخصت کیوں لکھوائی؟ تم کو تو ہم لوگوں نے نکالا ہوا سمجھا
تھا، انہوں نے کہا کہ میرا وہاں وطن تھا، اس پر میں نے ان سے کہا کہ مجھے تم سے کوئی خاص ربط نہیں
تھا، مگر اب میری تم سے دوستی ہو گئی، دوپہر کا کھانا تم میرے ساتھ کھایا کرو، تیس سال سے زائد
مدت تک وہ میرے ساتھ ہی دوپہر کا کھانا کھایا کرتے تھے، انہوں نے اپنے مرض الوفات میں
مجھے ایک پرچہ لکھا کہ تیس سال سے میں عید آپ کے ساتھ کیا کرتا تھا، آج بیماری شدید ہے کہ میں حاضر نہ
ہو سکا۔" میں اسی وقت اٹھ کر ان کے پاس گیا۔

حاصل یہ کہ مجھے ٹوک دیا کرو، مولانا مسعود صاحب ٹوک دیں تو مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے

اسٹرائک سے نفرت ارشاد فرمایا: طلباء علم سے براہ راست معافی مانگتا
ہوں، میرے دل میں تیس چالیس سال پہلے ان کی بڑی وقعت تھی، میرے دسترخوان پر اگر
کوئی طالب علم ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی، شروع میں جو بھی نیا طالب علم میرے یہاں آتا، اس کا کھانا
داخلہ امتحان سے پہلے مدرسے کا کھانا جاری ہونے تک میں اپنے حساب میں مدرسے سے جاری کرا دیتا
تھا اور بعض طالب علموں سے کہہ بھی دیتا کہ تم میرے ساتھ کھانا کھایا کرو، اسٹرائک نے بند کرا دیا
اس اسٹرائک سے دل میں نفرت ہے، ضب (گوہ) کے متعلق حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضورؐ
سے دریافت کیا، یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں، لیکن ہمارے یہاں
یہ جانور نہیں ہوتا، مجھے اس کے کھانے سے کراہیت ہوتی ہے (بخاری شریف) اگرچہ حنفیہ کے
نزدیک بعد میں اس کی حرمت بھی ہو گئی، لیکن جس وقت حرام نہیں تھا اس وقت بھی حضورؐ نے،
طبعی کراہت کی وجہ سے کھانے سے انکار کر دیا، محبت و نفرت بے اختیاری چیز ہے، اس ناکارہ
کو اسٹرائک سے نفرت ہے، دارالعلوم میں سب سے پہلے [illegible] میں حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ
کے دور میں آئی ان دونوں کو اس سے انتہائی نفرت تھی۔

دیوبند کی ایک اسٹرائک کے موقع پر میرا دیوبند جانا ہوا، مدرسے کے قریب ایک صاحبزادے

جن کے والد کا تعلق مجھ سے اور حضرت رائے پوری سے تھا وہ اسٹرائک میں شریک تھے بلکہ اسٹرائک کے سرغنہ تھے مجھے اس کی بالکل خبر نہیں تھی کہ وہ سرغنہ بھی ان میں پیش پیش ہیں، میں جب باب الظفر سے گزرا تو یہ بھی میرے ساتھ حضرت مدنیؒ کے یہاں حاضر ہوئے، حضرت کا چہرہ ان کو دیکھ کر سرخ ہو گیا اور مجھ پر شدید عتاب فرمایا کہ یہ چیلا آپ کا مدرسہ میں اسٹرائک کراتا پھرتا ہے اور آپ اس کو بغل میں لئے پھرتے ہیں، آپ نے اور مولانا عبد القادر صاحب نے ان کو دماغ خراب کر رکھا ہے۔" میں نے عرض کیا، حضرت مجھے مطلق اس کی خبر نہیں تھی اور اس سے اتنا کہہ کر بھاگ جا، بعد میں حضرت نے اس کی تلافی میں میری بہت دلداری کی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ پر حضرت کے ارشاد کا بالکل اثر نہیں ہے، حضرت نے فرمایا کہ میں نے آپ کی شان میں گستاخی کی، میں نے عرض کیا آپ تو ہو گئی سنا ہے کہ حضرت نے ان اسٹرائکوں کے لئے سخت بد دعائیں کیں، جن کو سن کر میں ڈر گیا۔

فرمایا: حضرت شیخ المشائخ استاذ الکل شاہ عبد العزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فارسی میں ایک مختصر رسالہ تصنیف فرمایا ہے، جس کا نام "عجالہ نافعہ" تحریر فرمایا ہے یعنی حدیث کی کتابوں کے دیکھنے والے کے لئے اس کا مطالعہ واجب ہے، یہ رسالہ ماسبق کے ساتھ یہاں بھی طبع ہو چکا ہے، اس رسالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے جملہ کتب حدیث کو چار قسموں پر منقسم فرمایا ہے: پہلا درجہ ان کتابوں کا ہے جن کو بے تکلف صحیح کہا جا سکتا ہے، دوسرا درجہ ان کتابوں کا ہے جن کو صحیح تو نہیں کہا جا سکتا مگر قابل عمل کہا جا سکتا ہے، تیسرا درجہ ان کتابوں کا ہے جن میں ہر قسم کی احادیث صحیح وغیر صحیح پائی جاتی ہیں، چوتھا درجہ ان کتابوں کا ہے کہ ان کی احادیث کو بے تکلف ضعیف کہا جا سکتا ہے اور یہ چیزیں موضوع احادیث کا
اس ناکارہ کا خیال یا تعامل ان حضرات رسائل کے متعلق تقریباً یہی رہا اور ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جب بھی کسی مدرسہ کا کوئی طالب علم میرے پاس آتا میں کتب حدیث کے پڑھنے پڑھانے میں شروع کرتا اور اب یہ حال ہے کہ جب بھی کسی مدرسہ کا کوئی طالب علم آتا ہے تو پہلے رسالہ میں اس کو درجہ جماعت

پر دیکھتا ہوں اور اگر ظاہر حال سے صلاح و فلاح محسوس ہو تو وجہ سوجھ سے اور پرکھنے کی بہت نہیں پڑتی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حضرت اقدسؒ کا رسالہ "احترام سلف"۔

ارشاد فرمایا۔ طالب علمو! تم تو بہت اونچے تھے مگر تم نے اپنے آپ کو خود ضائع کیا۔ کبھی ہماری صورتوں کو دیکھ کر غیر مسلم مسلمان ہوتے تھے اب ہماری صورتوں کو دیکھ کر نفرت کرنے لگے ہیں۔ جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ کانٹا بوئے گا تو کانٹا پیدا ہوگا، پھول بوئے گا تو پھول پیدا ہوگا۔ میں اپنے حضرتؒ کو اسٹیشن لینے کبھی نہیں گیا، بیاذ حسیح کا ہوتا تھا، مگر حضرت مدنیؒ نے اس کی تلافی کرادی۔ تقسیم سے پہلے میری جیب میں پیسے نہیں ہوتے تھے البتہ تقسیم کے زمانے میں تو بڑی بڑی رقمیں لوگ میرے پاس امانت رکھتے تھے جو اکثر میری جیب میں پڑی رہتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ کسی سفر سے آرہے تھے میں پیدل اسٹیشن گیا۔ خیال تھا کہ مولانا منظور صاحب ضرور موجود ہوں گے پلیٹ فارم ٹکٹ مل جائے گا۔ مگر جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ سب اندر داخل ہوچکے ہیں۔ میں نے اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ اگر دے سکو تو ادھار پلیٹ فارم کا ٹکٹ دو۔ اس نے دے دیا میں اندر گیا، مولانا منظور احمد صاحب سے پیسے لے کر ادا کئے۔ مولانا نے اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ کہیں ادھار ٹکٹ بھی دیا جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہر ایک کو نہیں۔

جو اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے اس کے سامنے ساری مخلوقات جھک جاتی ہے

فرمایا۔ میرے دوستو! اللہ کے سامنے جھک جاؤ تو ساری چیزیں تمہارے سامنے جھک جائیں گی، صحابہ کرامؓ کے قصے معلوم ہیں، ایک مرتبہ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور کثرت سے تھے، حضرت عقبہؓ نے بہت سے صحابہؓ کو ساتھ لے کر ایک جگہ کھڑے ہو کر اعلان کیا ایتھا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارحلوا عنا فانا نازلون فمن وجدناہ بعد قتلناہ۔ اے زمین کے اندر رہنے والے جانورو! اور درندو! ہم صحابہؓ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کرتی ہے اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ

اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کر دیں گے۔ یہ اعلان تھا کہ ان کی تمام جوان مرد، عورتیں جانوروں پر سوار ہو گئیں اور اپنے بچوں کو اٹھا اٹھا کر سب چل دیئے۔ ارشاد ابن اسحاق میں ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ پیچھے رہ گئے تھے ایک شخص نے دیکھا تو پکڑ لیا اس بزرگ نے کہا

تو از حکم داور گردن مپیچ　　　　کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

دسویں مجلس

۱۰ رمضان المبارک

تنقید اگر اخلاص پر مبنی ہو تو محمود ہے ارشاد فرمایا: میرا مکان جو کبھی صورتاً میرا تھا اب صورتاً بھی میرا نہیں رہا، ابتداء میں رند صاحب نے پانچ روپے ماہوار کرایہ سے لیا تھا اس مکان کو کوئی لینے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا کیونکہ اس کے بارے میں شہرت تھی کہ جو اس میں رہتا ہے مر جاتا ہے، چنانچہ پہلے سال میرے ایک بڑے بھائی کا انتقال ہوا اور دوسرے سال میرے والد صاحب کا اور تیسرے سال میری والدہ صاحبہ کا۔ مولوی محمد ذکی گیاوی ابتداء میں وہ مظاہر علوم میں فارسی پڑھنے آئے تھے میں ان سے بالکل ناواقف تھا اور انتہا میں وہ میرے محبوب دوست ہو گئے، دستور کے مطابق وہ میرے مہمان ہوئے اور میرے مکان پر مقیم ہوئے چند عشرہ کے بعد مدرسے سے انہوں نے اپنا کھانا قیمتاً جاری کرا لیا، اس نے اخیر میں مجھ سے اس کی وجہ ذکر کی ہے، اس کے اپنے طریق پر تعلیم میں کسی استاد سے بھی اس کے تعلقات نہیں ہوئے، بے تکلفی کی بنا پر تھا بلکہ مزاج ہی ایسا تھا۔ مظاہر علوم سے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تحصیل پوری ہو گئی اور شوال میں وہاں اس کو ملازمت مل گئی، محمد ذکی گیاوی کا کھانا مدرسے کے مطبخ سے آتا تھا اور میرے گھر والے اس زمانے یہاں نہیں تھے اس لئے میرا کھانا بھی مدرسے سے قیمتاً آتا تھا۔ محمد ذکی آخیر تک میرے شریک دسترخوان رہے ایک عرصے کے بعد انہوں نے مجلس شوریٰ کے سامنے یہ اعتراض کیا کہ آپ کا کھانا بھی مدرسے سے قیمتاً آتا ہے اور میرا بھی لیکن آپ کے پیالے میں مقدار زیادہ ہے، میرے میں کم، حقیقتاً اس وجہ سے کہ آپ

کی آواز اہلِ مجمع پر اثر انداز ہوئی اور میری نہیں۔ میں نے دیکھا تو واقعی دونوں پرچوں میں فرق تھا
میں نے مستفسرِ موصوف کا بہت شکریہ ادا کیا کہ اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ میں نے اسی دن سے
مطبوعہ سے اپنا کھانا بند کرادیا۔ آج تک جاری نہیں کرایا۔ اگر کسی کی تنقید قابلِ قبول ہو تو ضرور قبول
کرنا چاہیے۔ علماء و صوفیاء نے لکھا ہے آخر ما یخرج من قلوب السالکین حب الجاہ۔ حبِ جاہ
بہت مشکل سے نکلتی ہے۔ ہم لوگ اپنی زبان اور اپنے قلم سے ناکارہ و سیہ کار لکھتے ہیں مگر یہ تہہ ہی
کی ہے اگر کسی مجمع میں کوئی اعتراض کر دے تو سن کر ماتھے پر شکن ہوتی ہے۔ حالانکہ اگر ماننے کی بات ہے
تو اس پر ناگواری کیسی، اس کو ضرور ماننا چاہیے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے
انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق "میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں" خصوصیت سے جو لوگ ذاکر
اجازت یافتہ ہیں ان کے اخلاق ایسے ہوں کہ دوسروں کی ہدایت کا سبب بنیں، ذکر کرنے کا اور متفکر ہونے کا۔

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے استفسار پر حضرت گنگوہیؒ نے جواب تحریر فرمایا تھا
"ناسخ و دوام کو برابر سمجھتا ہوں"۔ مجھے یہ جملہ بہت پیارا لگتا ہے۔ اگر کوئی ہماری مدح کرے
تو اس پر پھولنا نہ چاہیے بلکہ اپنے عیوب پر نظر رکھنی چاہیے کہ اس نے ستاری فرما رکھی ہے۔ مگر اب ہمارا
یہ حال ہے کہ "چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند" فرمایا: میں تم دوستوں
سے اس حدیث سے مبلغ ادنیٰ سے جامع کے پیشِ نظر درخواست کرتا ہوں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں اسلام
تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، بلکہ مسلمانوں کے اخلاق سے پھیلا۔ تاریخ کے حالات کا مطالعہ کرو
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ایک کفرستان میں آکر بیٹھ گئے اور ایک دنیا کو مسلمان بنا گئے ۔

ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مومن بزدل ہو سکتا
ہے، فرمایا ہاں۔ پھر عرض کیا گیا کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے، فرمایا نہیں۔

ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیے، ہم لوگوں کا حال یہ ہو گیا
ہے کہ جب تک گفتگو میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہو ہمیں لطف نہیں آتا۔

گیارھویں مجلس

۱۱ رمضان المبارک

سکوت کی مجلس آج حضرت اقدس مدظلہم کی طبیعت ناساز تھی سر میں شدید گرانی تھی، حضرت نے مجمع سے اعتذار فرمایا، خدام کا اصرار تھا کہ آج مجلس ضرور ہو مگر مجلس نہ ہوئی، مولانا جمیل احمد سکروڈھوی نے عرض کیا: جی چاہتا ہے کہ کسی دن خاموشی کی مجلس ہو، اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا: حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ کہیں بھی نظر سے گزرا: "جو میری مجلس میں چپ بیٹھ کر کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکے وہ میری مجلس میں کیا خاک آئے گا"

اللہ کے احسانات کا شکر فرمایا: میرے حضرت سہارنپوری کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا۔ ترجمہ: اللہ کے احسانات کو شمار کرو تو ان کا احصاء نہیں کر سکتے، یہاں نعمت مفرد استعمال کیا گیا، کیونکہ ایک نعمت میں بے شمار نعمتیں ہیں۔

بارھویں مجلس

۱۲ رمضان المبارک

آج کی مجلس میں ترکی کی جماعت دوبارہ آگئی تھی اور بیروت، ملائشیا کے بھی کچھ حضرات تھے اس لئے ایک صاحب ترکی میں اور ایک دوسرے صاحب انگریزی میں ترجمہ کر رہے تھے فرمایا: زبان یہ حضرات ترکی دوست ترکی میں۔ راقم: تبلیغ والوں کی بدولت ترکی زبان کی بھی ضرورت پڑگئی۔

دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو اور اپنے حقوق کا مطالبہ اللہ سے کرو

ارشاد فرمایا: میں ایک اہم و ضروری بات کہتا ہوں جو اپنے دوستوں سے بارہا کہتا رہتا ہوں، میں نے اپنے بڑوں سے ایک اصول سنا ہے جو چچا جان کے ملفوظات میں بھی موجود ہے، اور مولوی یوسف صاحب کی تقریروں میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے درحقیقت یہ حدیث پاک سے مستنبط ہے: آدمی کو یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ دوسرے ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ مجھے شریعت، عرف، عقل و قرابت کے اعتبار سے کیا معاملہ کرنا چاہیئے۔

"نیکی بہ نیکی سہل باشد جزاء — اگر مردی احسن الیٰ من اساء"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ۔ اللہ

جس نے صبر کیا اور معاف کیا، بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ حدیث میں آیا ہے "رشتہ جوڑو جو تم سے رشتہ کاٹے اور جو تم پر ظلم کرے اس سے درگذر کرو اور جو برائی کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو" ایک حدیث میں ہے "لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا" (مشکوٰۃ) رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو بدلے کے طور پر رشتہ جوڑتا ہے بلکہ وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو اس کو جوڑے۔

ہمارے بزرگوں نے قرآن و حدیث سے مستنبط کر کے جو بات دو فقروں میں فرمادی ہے اس پر عمل کرنے سے دنیا و آخرت دونوں جگہوں میں چین حاصل ہوگا، اگر کوئی شخص تم کو گالیاں دے رہا ہے، تمہاری غیبتیں کر رہا ہے تو وہ تمہیں اپنی نیکیاں دے رہا ہے، اگر اس کے پاس اتنی نیکیاں نہیں ہیں تو تمہارے گناہ اپنے سر لے رہا ہے، حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص کسی کو گالیاں دے اور مارے اس کو قصاص ضرور لیا جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا۔ بھائی ہوتا تو مجھے بھی نہیں، مگر اصول بڑا اچھا ہے۔ تمہارے ذمہ جو دوسروں کے حقوق ہیں ان کو ادا کرنے کی کوشش کرو جہاں سے تمہیں بہت زیادہ ملے گا، تمہارے ذمہ اگر کسی کا ایک دانق ہوگا تو اس کے عوض میں سات سو مقبول فرض نمازیں آخرت میں کاٹ لی جائیں گی (رشتہ) ہمارے پاس سات سو مقبول نمازیں ہیں؟ آج کل کثرت سے خطوط آتے ہیں، مہتمم حضرات مدرسین کی اور مدرسین ان کی شکایت کرتے رہتے ہیں، اگر یہ اصول سامنے ہو تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ کسی مہتمم کو نہ چاہیے کہ کسی کو ملازم رکھے اور مدرسین سے کہہ دے کہ تمہیں صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے کام کرنا چاہیے تمہیں جو تنخواہ مل رہی ہے وہ تمہاری قیمت سے بہت کم ہے، مگر تمہیں جو کچھ مل رہا ہے، اللہ کا احسان سمجھو۔

صرف چار احادیث انسان کے دین کے لیے کافی ہیں

ارشاد فرمایا: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے صرف پانچ کا انتخاب فرمایا ہے، اس کے بعد امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعہ میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو کا

انتخاب اپنی کتاب میں کیا ہے اور ان میں سے صرف چار کا انتخاب فرمایا کہ انسان کو اپنے دین پر
عمل کرنے کیلئے کافی ہیں، چار تو وہی ہیں جن کو امام اعظمؒ نے منتخب کیا ہے اور ایک کو نہیں لیا کیونکہ
اس کا مضمون ان میں آگیا ہے۔ امام صاحبؒ کی وفات سنہ ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے اور امام ابوداؤدؒ
کی ولادت سنہ ۲۰۲ھ میں ہوئی گویا امام صاحبؒ سے ۵۲ سال بعد میں پیدا ہوئے، اس سے معلوم
ہوا کہ امام ابوداؤدؒ نے امام صاحبؒ سے اس قول کو لیا ہے، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ان چار حدیثوں
میں سارا دین آگیا ہے اگرچہ بعض علماء نے "الشفیق علی مسلم" والی حدیث کو سب کا جامع بتایا ہے
وہ چار حدیثیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) انما الاعمال بالنیات الخ (تمام اعمال کی مقبولیت کا دارومدار صحت نیت پر
ہے) اس کے سلسلے میں رئیس الاحرار کا قصہ تفصیل سے سنایا جو پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ اس
کے ضمن میں ارشاد فرمایا۔ میں نے بزرگوں کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں، پہلا دور حضرت گنگوہیؒ کا، دوسرا
دور حضرت کے خلفاء اعلیٰ حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ۔ اعلیٰ حضرت رائپوریؒ کا اور تیسرا
دور حضرت مدنیؒ و حضرت رائپوری اور چچا جان کا اور چوتھا دور مولوی یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کا اور پانچواں اب مولوی انعام الحسن صاحب کا دور دیکھ رہا ہوں، بزرگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا
ضائع نہیں جاتا، میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ معاصرت کی وجہ سے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں
دیا وہ ضائع ہو گئے، مولوی یوسفؒ کے دور میں بعض بزرگ کہا کرتے تھے: جو باتیں ان کے والد میں تھی
وہ ان میں نہیں۔ میں کہا کرتا تھا، جو باتیں میرے حضرت میں تھی وہ چچا جان میں نہیں، یہی بات میں
مولوی اسعد میاں اور مولانا قاری طیب صاحب اور مولوی انعام کے بارے میں کہا کرتا ہوں جو باتیں
اکابر میں تھی وہ اصاغر میں کہاں؟ جب یہ بھی چلے جائیں گے تو کفِ افسوس ملنا پڑے گا، بعد میں یہ بھی
نہیں ملیں گے۔

فرمایا۔ جو کرو اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرو، اگر کوئی نماز دکھانے کے لئے پڑھے گا تو لپیٹ کر
پرانے کپڑے کی طرح نماز منہ پر مار دی جائے گی۔

بزمیں چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد   کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

اگر یہی سجدہ اللہ کی رضا کے لئے ہو تو بہترین عبادت ہے۔ صاحب مظاہر حق نے "انما الاعمال بالنیات" کی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ "اگر کوئی مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھے اسی کے ساتھ اعتکاف کی نیت کرلے، اہل اللہ کی زیارت کی نیت کرلے وغیرہ وغیرہ، تو اس کے ثواب میں نیت کے لحاظ سے بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔"

(۲) "لا یکون المؤمن مؤمنا حتی یرضی لاخیہ ما یرضی لنفسہ"۔ (مومن حقیقی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے) "اگر اس حدیث پر آدمی عامل بن جائے تو سارے باہمی جھگڑے ختم ہو جائیں، خود تو چاہے سوا سیر اور دوسرے کے لئے سیر تو پھر جھگڑے کیسے ختم ہوں، اس حدیث میں حقوق العباد آگئے چونکہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ" (جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) اس حدیث کا مضمون اوپر والی حدیث میں آگیا ہے، اس کو امام اعظمؒ نے مستقل شمار کیا ہے، امام ابو داؤدؒ نے ترک کر دیا۔

(۳) "من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ" (انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے)۔

لایعنی میں مشغول ہونے سے نہ دین کا نفع ہے نہ دنیا کا، ایک صاحب کا میرے پاس خط آیا، انہوں نے اپنے بعض معاصرین کے بارے میں بے جا استفسار کیا تھا، میں نے ان کو جواب دیا کہ ان سوالات کو قبر میں جواب دینا ہے؟ منکر نکیر سوال کریں گے؟ بس دھندے میں خواہ مخواہ کیوں پھنس گئے ہو؟ جو تمہیں جس سے عقیدت ہو بیعت ہو جاؤ۔

اپنے بچپن میں ایک انگریز کا قصہ پڑھا تھا جس کو علامہ شبلی نے کہیں اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ وہ جہاز پر سوار تھے، جہاز ڈوبنے لگا، وہ انگریز کتاب کے مطالعہ میں مشغول رہا، لوگ شور کر رہے تھے مسلم ہوتا تو اس وقت کلمہ وغیرہ کی تلقین کرتا۔ دیکھو بھائی! یہاں آفرین کی جگہ نہیں

ہے بلا جس نیت سے آئے ہو مشغول رہا کرو، وصول کرو۔

فرمایا: اخبار و علمیہ پڑھ لو اور سن لو، مگر یاد رکھو قبر میں منکر نکیر سوال کریں گے

"ما دینک؟" تمہارا دین کیا تھا؟

صوفیا کے یہاں پاس انفاس کی مشق اسی لئے کرائی جاتی ہے کہ اگر آدمی کچھ نہ کر سکے تو

کم از کم ہر سانس میں اللہ کا ذکر کرے۔

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے — یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

(۹۸) "الحلال بیّن والحرام بیّن الخ" حلال و حرام واضح ہیں مگر ان کے درمیان بعض مشتبہ و مشکوک چیزیں ہیں، جو ان سے بچے گا، وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کرے گا، اس کا نام تقویٰ ہے جس چیز میں کچھ شک ہو، بعض علماء جائز کہتے ہوں اور بعض ناجائز، ان کو چھوڑ دینا چاہئے کیوں جھگڑے میں پڑے، ایک اور حدیث میں آیا ہے: "دع ما یریبک الی ما لا یریبک" جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں شبہ نہ ہو۔ "الحلال بیّن والحرام بیّن الخ" والی روایت میں یہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے: "ان لکل ملک حمی" ہر بادشاہ کے لئے ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے۔ وہ جگہ ممنوع ہوتی ہے، حدیث کا مضمون بعد میں بیان کروں گا، اس سے پہلے ایک قصہ سن لو۔

تیرھویں مجلس

۱۳ رمضان المبارک

میری عمر بارہ برس کی ہوگی، ہمارے حضرت قطب گنگوہی کے نواسے چچا کریم کا پنجاب میں
نکاح تھا، چچا یعقوب نے اصرار سے مجھ کو بھی ساتھ لے لیا چنانچہ سرحد کے قریب ٹھٹھہ بارات گئی یہ میرا
سرحد کا پہلا سفر تھا، گھوڑے وغیرہ پر سوار کرکے ہم لڑکوں کو روانہ کر دیا گیا اور حضرات پیدل تھے، چچا یعقوب
تھانہ دار تھے، اتفاقاً ایک جگہ کچھ سپاہی ملے، آپس میں چچا یعقوب کی ان سے بات چیت یعنی انگریزی کی گفتگو
ہوئی، میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہاں کیا مصیبت آگئی، میں نے دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا کہ یہاں
سے تھانے کے حدود شروع ہوتے ہیں، ان لوگوں نے ہم سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ
تھانہ دار، کہا کہ چلے جاؤ، اگر معقول جواب نہ دیتا تو گرفتار ہو جاتے۔

اسی طرح اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچو، ایسی چیزوں
سے دور دور رہنا چاہیے، اسی کو پرہیز کہیں، اسی کو تقویٰ کہیں اور اسی کا نام احتیاط ہے، ہر
موقع پر احتیاط پیش نظر رہے۔

ہمارے بڑوں نے اور مشائخ نے اسی لئے مسئلہ میں کہ تقویٰ پر عمل آسان ہو جائے، حضرت شاہ
عبدالعزیز صاحب کا ارشاد گرامی ہے کہ ان چار حدیثوں کے کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے
مشہورات و قواعد کلیہ جاننے کے بعد جزئیات دین کو معلوم کرنے کے لئے کسی فقیہ کی ضرورت باقی نہیں
رہتی، چونکہ حدیث اول عبادات کی درستگی کے لئے کافی ہے اور حدیث ثانی سے حقوق کی معرفت

حاصل ہوتی ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں، دوستوں اور اہل معاملہ کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے اور تیسری حدیث سے عمر عزیز کے اوقات کی محافظت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور چوتھی حدیث: یہ مسائل ہیں جن میں علماء کو تھوڑا تردد ہے ایک واضح راستہ پیش کرتی ہے غرض کہ یہ چاروں حدیثیں ایک عاقل آدمی کے لئے استاد و شیخ کا درجہ رکھتی ہیں۔ (بستان ص۳۳)

حضرت اقدس مدظلہم نے حضرت شاہ نور اللہ مرقدہ کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ الدر الثمین میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب کا خیال آیا (ہم لوگ اس کی طرف دھیان نہیں دیتے) حضرت شاہ صاحبؒ نے دو پیسے کے چنے خیرات کئے اور ایصال ثواب کیا، رات میں خواب میں زیارت ہوئی کہ آپ اپنے دست مبارک میں لال چنوں کو لے کر مجھے دے رہے ہیں، غور کرو کہ دو پیسے کے چنے کی کیا حیثیت، مگر وہ آپ کے یہاں اخلاص کی وجہ سے مقبول ہو گئے۔ تم علماء کرام ہو حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے آدمی جہنم میں داخل کئے جائیں گے ان میں ایک ریاکار عالم ہوگا، غور کرو اگر ہم سے یہ مطالبہ ہو کہ ہم نے تم کو بہت سی دینی مدرسہ کی کتابیں دیں، تو کیا جواب ہوگا؟ اگر اس کے جواب میں کہا جائے کہ ہم نے دین کے راستے میں واقع پر علم دین کو خرچ کیا، لیکن خدانخواستہ اس کے جواب میں اگر یہ کہا گیا کہ تم نے اس لئے خرچ کیا کہ تم کو بڑا عالم، شیخ التفسیر، شیخ الحدیث وغیرہ کہا جائے تو وہ کہا جا چکا، پھر سوچو کہ پھر کیا حشر ہوگا، اسی طرح مالدار سخی اور شجاع کا حال بیان کیا گیا ہے، سخاوت اور جہاد کے باوجود اخلاص نہ ہونے سے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔

غور کرو اخلاص سے دو پیسے خرچ کرنے کی یہ قدر کہ حضورؐ کے یہاں مقبول اور یہاں سب کچھ خرچ کرنے کے باوجود کوئی قیمت نہیں۔

اس کے بعد حضرت نے نہایت درد سے فرمایا۔ میرے پیارو! تم دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو، مدرسہ کا حق ادا کرتے رہو، اگر تم تم پر بنیادی کرتا ہے، تمہاری تنخواہیں کاٹتا ہے تو

یہ سب تمہارے آخرت کے بنک میں جمع ہوتا رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلیہ مثقال ذرہ کا قانون ہے، تمہارا استاد یا طالب علم یا کسی سے کوئی معاملہ ہو، ان سب کے ساتھ تمہاری یہی کوشش ہونی، چاہیئے کہ کسی کا کوئی حق تم پر باقی نہ رہے۔

تیسری حدیث میں حضرت شاہؒ فرماتے ہیں کہ قیمتی اوقات کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے، جو بندہ اپنے اوقات کو ضائع کرتا ہے اس کا کوئی نہیں، اب تو مدرسے سے پڑھانے کا تعلق میرا ختم ہو گیا، جس زمانے میں میں پڑھاتا تھا، یہ ڈنڈے والے (یعنی بلے والے) لڑکے گذرتے تھے، میں تمام گذرتے ہوئے وکلاء سے تحقیقات کر کر چکا تھا، وہ کہتے، آپ بھی تحقیقات کرنے کی فرصت نہیں تھی، مگر وقت کا عزیز جہاں کہیں اس کو سنتا ہے کہ یہ اچھا ہے کیونکہ انہیں اوقات کی قدر نہیں ہے، ہمارے اوقات بڑے قیمتی ہیں، بھلائی دس منٹ میں جتنا ہم قرآن و حدیث سیکھ سکتے ہیں اس کے برابر کسی چیز کی قیمت نہیں، مگر افسوس کہ ہمیں قدر نہیں۔

اضافہ از مرتب ــ

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

چوتھی حدیث میں تقویٰ کو اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

چودھویں مجلس

۱۳ رمضان المبارک

اللہ و رسول کے ارشادات میں دین و دنیا کی بھلائی ہے

فرمایا: بہت سے لوگ شریعت پر یہ سمجھتے ہیں کہ احکام بے دلیل کیوں کہتے ہیں؟ اور اعتراض یہ کہتے ہیں؟ حالانکہ ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ اللہ و رسول کیا فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں یہ پڑھا تھا کہ غسل جنابت تعبدی ہے یعنی عقل میں تو آتا نہیں، شریعت کا حکم ہے اس لئے غسل فرض ہے کیونکہ منی کے نکلنے سے صرف موضع منی کو دھونا چاہئے۔ اس کے بعد میں نے اس کی مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ یورپ کے ایک طبی بورڈ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جس وقت منی شہوت کے ساتھ نکلتی ہے تو بدن کے ہر بال اور مسام میں ایک طرح کی سمیت پیدا ہو جاتی ہے اگر رگڑ رگڑ کر نہ دھویا جائے تو بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اس سے ایک مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، غسل جنابت میں امام مالک کے نزدیک دلک یعنی رگڑنا فرض ہے۔ اور بقیہ ائمہ کے نزدیک مسنون، اس کی حقیقت بھی سمجھ میں آگئی۔ سنہ ۱۳۲۰ھ سے سنہ ۱۳۸۸ھ تک میں نے دورۂ حدیث کے اسباق پڑھے ہیں میں اپنے اسباق میں ہمیشہ یہ کہتا رہا ہوں کہ حدیث "اذا قعد بین شعبها الاربع الخ" مسئلہ تو بتا دیا شریعت کا، مگر ساتھ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجامعت کا بہترین طریقہ بتا دیا ہے۔ مجامعت کے اطباء نے جتنے طریقے لکھے ہیں مگر اس کو صحت و قوت دونوں کے اعتبار سے سب سے بہتر طریقہ قرار دیا۔

فرمایا۔ ایک اور مسئلہ کے ذیل میں حضورؐ کا بہترین طریقہ سنو! خاص طور سے لنکن والوں کے سننے کا ہے۔ انگریزوں کے مردوں اور عورتوں میں بالخورا کا مرض بہت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹروں نے تحقیقات کر کے فیصلہ کیا کہ مردوں کی داڑھی اور عورتوں کے سر کے بال رطوبت کو چوستے ہیں، چونکہ انگریزوں کے یہاں یہ نہیں ہے اس لئے یہ مرض وہاں بہت پیدا ہوتا ہے۔

ابتدائی زمانہ میں میں ہر طرح کی چیزوں کو پڑھتا تھا اس طرح کی چیزیں تیس سال پہلے پڑھی تھیں اور بیاض رجسٹر میں درج کر لیا تھا (مولانا علی میاں کو بھی اس پر حیرت ہے کہ ایک سال تک میرا معمول تھا کہ رات میں ایک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مشکل سے سویا ہوں گا میں نے جب مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب میں کنز الدقائق کا حاشیہ لکھ رہا تھا تو دو سال تک رات میں نہیں سویا۔

عیب در جاناں بجائے کسی   کہ بے معنی ہرگز نہ جانے کسی

حدیث شق صدر کا ذکر آیا ہے شق صدر حضورؐ کے سینہ مبارک کو معراج سے پہلے چاک کر کے قلب اطہر کو نکالا گیا اور زمزم سے دھویا گیا اس لئے کہا گیا ہے کہ زمزم کا پانی آب کوثر سے افضل ہے اور اس کو ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا اس پر اعتراضات کئے گئے ہیں، سرسید نے بھی اعتراض کیا کہ "ایمان و حکمت ایک معنوی چیز ہے اس کو کس طرح بھرا گیا" اور بعض بدتمیزوں کی تحریروں میں نعوذ باللہ سے یہ اعتراضات میں نے پڑھے اور سنے ہیں مگر اس زمانے میں ہم نے یہ بھی پڑھا کہ بجلی کے ذریعے ایک آدمی میں ۱۰۰۰ بلکہ ۲۰۰۰ گھوڑوں کی قوت بھری جا سکتی ہے پھر اس حدیث کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے علامات قیامت میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مشرق و مغرب کے سارے باشندے سنیں گے۔ آج لاسلکی نے اس کو سمجھا دیا اسی طرح آیا ہے کہ محشر کی آواز سب سنیں گے ٹیلی ویژن نے اس کو سمجھنا آسان بنا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات میں سے ایک عادت مسواک کی ہے۔ ابوداؤد و نسائی میں اس روایت کے سلسلے میں "اع، اع، اخ، اخ" کے الفاظ وارد ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی زبان مبارک پر بھی مسواک کرتے تھے، جس کو راوی نے اس طرح بیان کیا ہے، درحقیقت یہ آواز نکی

تعبیر ہے کہ تشنگی کے لئے مسواک کو فوراً اندر کی طرف پھیرے تو پیاس کا بہترین علاج ہے میرا بیسوں
مرتبہ کا تجربہ ہے کہ جتنی اندر مسواک ڈالی جائے گی اتنا جمع شدہ بلغم خارج ہو جائے گا اور کھانسی ختم ہو جائے گی
ڈاکٹر و حکیم جو بھی کہیں میری کھانسی کئی مرتبہ اس طرح کرنے سے ختم ہوئی ہے۔

ارشاد فرمایا، میرے پاس دارالمصنفین میں تعویذ لینے آیا وہ کسی چیز پر نہیں بجز تجربہ کے مگر مساعد کے
ساتھ نہیں، میرے محلے کے ایک صاحب نے جو میرے والد صاحب اور میرے چچا جان کے دوست تھے، اور
میرے بھی دوست تھے انہوں نے اپنی عزیزہ کے لئے جو بیمار تھیں چچا جان کو خط لکھ کر تعویذ منگوایا جبل
خط بھیجا تھا، چچا جان نے پتہ کاٹ کر جیب سے پرچہ جواب تحریر فرمایا اور اس پر ایک دعا لکھ دی کہ صبح
دن تین مرتبہ دم کیا کرو اور اگر اس دعا سے شفا نہ بھی ہو تو اس کا مرنا ہی اچھا ہے جس کو اعتقاد نہ ہو اس کے لئے
یہی حکم ہے خواہ ہماری عقلوں میں یہ باتیں آئیں یا نہ آئیں مگر حقیقت یہی ہے۔

اس کے بعد فرمایا، مفتی صاحب اس کو نقل کرنا کیسا ہے؟ مفتی صاحب خاموش رہے فرمایا۔
حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے وہاں ایک عورت نے
اپنے نادار نابینا لڑکے کو دعا کے لئے لائی اور بہت عاجزی سے درخواست کی کہ حضرت اس پر ہاتھ
پھیر دیں کہ اچھا ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا، اس عورت
نے عرض کیا مجھے تو کچھ معلوم نہیں آپ ہاتھ پھیر دیں، مگر مولانا وہاں سے اٹھ کر چل دیئے، راستے میں
عتاب الٰہی نازل ہوا، ہو گیا کہ تم کون اور عیسیٰ کون، کرنے والے ہم ہیں۔ چنانچہ مولانا واپس پہنچے
اور اسی کیفیت میں کہتے ہوئے اس پر ہاتھ پھیرا اور وہ اچھا ہو گیا، درحقیقت نفع پہنچانے والا
حق تعالیٰ ہے، عامی لوگ اسے کیا سمجھیں۔

بیعت کی حقیقت آج بھی روزنامہ کے معمول کے مطابق بہت سے لوگ بیعت
ہوئے اس سے فراغت کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا۔ بیعت ہونا ایسا ہی ہے، جیسے کسی مدرسہ
میں کوئی طالب علم داخلہ فارم داخل کرے اگر وہ داخلہ فارم داخل کر کے محنت کرے تو وہ عالم
بن کر نکلے گا، اسی طرح اجازت گویا مدرسہ کی سند فراغت ہے، یعنی طالب میں ایک خاص استعداد

پیدا ہوگئی جس طرح مدرسہ کی سند اس بات کی ضمانت ہے کہ تم میں پڑھانے کی استعداد پیدا ہوگئی ہے لیکن اگر کوئی سند لے کر کھیتی باڑی شروع کردے تو ضائع ہو جائے گا۔

اجازت کی ذمہ داری اجازت پڑھانے کے لئے ہوتی ہے۔ جو لوگ اس کے بعد بیٹھ گئے کہیں کچھ ہو گیا وہ کھو گئے اور گمنامی میں گر گئے۔ اگر کچھ کرے تو یہ ترقیات کا ذریعہ ہے آخر کیفیت کہ اللہ کی طرف سے اس بات کی شہادت ہے کہ تم میں اہلیت ہے بشرطیکہ کچھ کرلو تو یہ جانا نہ ہوگا جن لوگوں کو اجازت کا شوق پیدا ہو جائے وہ ناکام ہو گئے ہیں میں نے اپنے متوسلین اور مریدوں میں اس کے تجربے کئے ہیں اگر کسی کے بارے میں مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ اس کا طالب ہے تو مجھے گرانی ہوتی ہے۔ "من طلب منکم الامارۃ" سے یہ مضمون مستنبط ہے اپنی نااہلیت و کم مائیگی کا استحضار ضروری ہے اجازت کے بعد جس کے قلب میں ایک بجلی سی کوند جائے اور شکستگی پیدا ہو جائے، وہ کامیاب ورنہ ناکام رہے گا، جب مجھے میرے حضرت نے اجازت دی تو میرے اعضاء پر کئی دن تک اس کا اثر رہا "فغطنی" والی روایت میں ہے "خشیت الخ" اس کی بہت سی توجیہات کی گئی ہیں اس میں ایک یہ ہے کہ نبوت کے بار گراں سے حضورؐ پر ایسا اثر ہوا کہ موت کا اندیشہ معلوم ہونے لگا، میں نے اپنے اکابر اور حضرت مدنیؒ سے سنا ہے جس کو اجازت کے بعد کوفت کا اثر پیدا ہوا اس کو زیادہ نفع ہوا، اجازت بہت سی مصالح کی بنا پر دی جاتی ہے میں حضرت گنگوہیؒ اور اکابر کے لوگوں میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جن کو اجازت نہیں دی گئی حالانکہ ان کے حالات بہت سے اجازت یافتہ لوگوں سے اچھے تھے، حضرت تھانویؒ نے ایک مرتبہ اپنے بعض مجازین کو اندر بلایا اور کچھ لوگوں کو باہر بٹھایا اور فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم اونچے ہو اور دوسرے فروتر یا کمتر نہ ہو، مجھے جب میرے حضرت نے اجازت دی تھی تو میری تمنا تھی کہ کسی کو خبر نہ ہو اس کے لئے میں نے حضرت [illegible] کے پاؤں تک پکڑ لئے۔

رمضان میں حضرت مدنیؒ سے مکاتبت فرمایا: رمضان میں میرا اور حضرت مدنیؒ کا یہ معمول تھا کہ ہر ایک دوسرے کو پہلے خط لکھا کرتا تھا۔ اکثر میں ہی لکھتا تھا جو

کوئی شعر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے خط لکھا۔ اس میں یہ شعر تھا ؎

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

اکابر کے خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔

چند تصویر بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

پندرھویں مجلس

۱۵ رمضان المبارک

دوستی و دشمنی میں راہِ اعتدال ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے کہ مُردوں کو برائیوں کے ساتھ ذکر نہ کرو بلکہ ان کی بھلائیوں کا تذکرہ کرو۔ ہم لوگ جس قدر افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، تعریف میں تو کسی کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں اور کسی کو تحت الثریٰ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭاِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ بے انصافی کرو۔ انصاف اختیار کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

لطیفہ: فرمایا: لوگ کسی کو پہچانتے نہیں، جب ہم ہی کو نہیں پہچانتے تو دوسروں کو کیا پہچانیں گے۔

تعزیتیات کا مضمون مکتوب حضرت مولانا قاضی جمیل صاحب مدظلہ نے تعزیتیات ۲۵ اکتوبر کو حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجا تھا۔ جس میں جمال عبدالناصر کے بارے میں مصری اخبارات کے تاثرات کا ترجمہ کیا گیا تھا، آج کی مجلس میں وہ پڑھ کر سنایا گیا۔ ایک عنوان تھا "مرگِ غیرت تیری دہائی"۔ دوسرا عنوان تھا "تمہارے خدا ٹوٹ گئے ہیں"۔ تیسرا عنوان تھا "عبدالناصر کی آخری کوشش"۔ اس کو سن کر پورا مجمع استغفار پڑھ رہا تھا اور حضرت پر بھی شدید اثر تھا۔

ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جائے گا، جیسے وہ سلسلہ دین جو پیغمبروں سے قائم ہوا ہے، اس کا جو طریقہ زندگی ہے اس پر چلنے کا عہد کرو۔

سولہویں مجلس

۱۶ رمضان المبارک

مجاہدہ ارشاد فرمایا: پورے مہینے کا ایک لیک عشرہ کی نیت سے اعتکاف مستحب ہے اور ایک مسلم معمول ہے تم لوگ مجاہدہ کے لئے آئے ہو۔ جب ملائی کا میاں چلے ہیں تو مجاہدہ کا کیا ہوگا مجاہدہ تو دیوبند کی والی میں تھا، بہت کھانا کوئی اچھی چیز نہیں، اگرچہ کم کھانے کو میں بھی نہیں کہتا، کچھ کر لو اگلا رمضان آوے گا یا نہیں میں تو چلا ہی جاؤں گا۔ اگر کچھ کر لو گے تو تمہیں ہی کام آوے گا۔

میرے والد صاحب رمضان میں گنگوہ میں اذان دیا کرتے اگر کھجور وغیرہ موجود ہوتی تو اسی سے افطار کرتے ورنہ گھاس کا تنکا چبا کر طویل اذان دیتے کہ اتنے میں حضرت اقدس فارغ ہو جائیں۔

مہمانوں کا اکرام آج ایک نابینا مہمان آئے تھے حضرت نے ان سے فرمایا تھوڑی دیر تشریف رکھئے پھر بات کروں گا مگر وہ چلے گئے اس پر حضرت کو بہت قلق ہو رہا تھا، چاروں طرف تلاش کرایا مگر وہ نہیں ملے۔

فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے مہمانوں کا اور زیادہ اکرام کروں، حدیث میں آیا ہے من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ، جس کا اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

اپنا شام کا کھانا چھوٹنے کا قصہ ارشاد فرمایا: میرا چالیس برس سال سے شام کا کھانا چھوٹ گیا ہے میں نے زمانہ طالب علمی میں حج کی وجہ سے چھوڑا تھا اور

ابتدا میں بھوک بھی لگتی تھی ایک سال تک میری بیوی مولوی سلطان کی نانی میرے پاس دوران مطالعہ
میں بیٹھتی تھیں اور ایک ایک لقمہ میرے منہ میں ڈالتی جاتی تھیں اپنے اکابر حضرت دادا پیر رحمۃ حضرت میاں اور
چچا جان کی آمد پر خوب کھا لیتا تھا گرانی نہیں ہوتی تھی مگر ۱۰،۱۲ سال سے شام کا کھانا بالکل چھوٹ گیا ہے۔
اگر کبھی شام کو کسی کی آمد پر کچھ کھا لیے تو گرانی محسوس ہوتی تھی ادھر ۸، ۱۰ سال سے بالکل ہی چھوٹ گیا ہے۔

کانپور سے ایک مستری صاحب یہاں آئے وہ میرا اصول دیکھ کر واپس گئے ان کا خط آیا کہ میں نے
جناب کو دیکھ کر شام کا کھانا چھوڑ دیا ہے، رات کو تہجد میں طبیعت خوب لگتی ہے" میں نے ان کو ڈانٹ کر
خط لکھا ایسا ہرگز ہرگز نہ کرو، ابھی میرا خط ان کو نہیں ملا ہوگا کہ مجھے ان کا دوسرا خط ملا "کہ اب کمزوری
وضعف محسوس ہو رہا ہے"۔ بعض لوگ جو چیز میری حرص میں دیکھو اگر کچھ کرنا ہو تو مجھ سے پوچھ کر کیا کرو۔

رمضان کا اوپار فرمایا: میں اپنے دوستوں سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ رمضان میں مقابلہ بھی
ہوتا ہے بزرگوں نے اس سے استنباط کیا کہ حرم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے، اسی طرح گناہ کا اندازہ
بھی ہوگا۔ اسی طرح رمضان المبارک میں ایک نیکی کا ثواب ستر گنا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی ہوگا۔

کاندھلہ کے افطار و سحری کا طریقہ فرمایا: کاندھلہ میں پہلے رمضان المبارک میں ایک بڑا دیگ
پکا کرتا تھا اس دیگ سے کھانا نکال کر رکھ دیا جاتا اور سب
لوگ کب پہنچتے اور جو آتا کھانے میں شریک ہو جاتا، اس کے بعد عشاء تک لوگ نفلوں میں مشغول۔ یہ بچے مگر
اب طریقہ بدل گیا ہے ہمارے یہاں ایک گھر میں پانچ پانچ حفاظ ہوتے تھے وہ تسلسل سے بلا کی باری
ختم قرآن سناتے سحری میں معمول یہ تھا کہ گرم روٹیوں کے ٹکڑے کر دیئے جاتے اور اس میں راب ڈ
ال دیتے بالکل حلوے کی طرح ہو جاتی وہ بھی کھائی جاتی تھی اس کو چوری کہتے تھے، اس کا نشان
نسلی ہم نے یہ سنا تھا کہ وہ دیر سے ہضم ہوتی تھی، چائے کا دستور نہیں تھا۔ ایک مرتبہ ایک حکیم صاحب نے ایک
نسخہ میں لکھ دیا پورے قصبہ میں تلاش کی گئی مگر نہیں مل سکی۔

اوقات کی پابندی آج کچھ انسپکٹر طلباء جلال آباد سے آئے ہوئے تھے انہوں نے
آکر عرض کیا کہ ہم یہاں ۲ بجے تک کے لئے حاضر ہوئے ہیں کیونکہ مدرسے اتنے ہی وقت کے لئے

ہم نے چھٹی لی ہے اس پر حضرت نے مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ حضرت سہارنپوریؒ سے جتنے دن
کی چھٹی لے کر ہیں کا فیصلہ جاتا، ٹھیک وقت پر واپس آجاتا کبھی اس کے خلاف نہیں کیا خواہ کوئی اہم
بات پیش آجائے ہر شخص کے معاملہ ہوا کرتے ہیں کچھ لوگ ایسے تھے جو مجھ جیسے نااہل مجہول کے کام سے گرانا
چاہتے تھے۔

اصل چیز مرید کی طلب ہے

ارشاد فرمایا۔ بائیس سال تک دورۂ حدیث پڑھاتا
رہا ہوں اور یہی چیز بزرگی کے اندر بھی کیا کرتا ہوں کہ شیخ یا استاد کو متوجہ ہونا تمہارے اپنے کھینچنے
کی بات ہے حدیث پاک سے یہ مضمون مستنبط ہے شیخ کی بے توجہی اتنی مضر نہیں جتنی مرید و طالب
کی مضر ہے حضرت وحشیؓ جو حضرت امیر حمزہؓ کے قاتل تھے ان کا قصہ اس پر دلیل ہے یہ زمانہ جاہلی
حضورؐ کی محبت سے تھی اور جب اسلام لائے آپؐ نے فرمایا کہ آپ سے اگر ہو سکے میری بیعت سے نگاہ پرے کر لیجئے کہا تھا
حضورؐ نے اس سے اعراض کے مدینہ پاک میں قیام کے لئے فرمایا اگر یہ تو تمام کام دیا یہ طالب کی بے توجہی ہے
حضرت گنگوہیؒ سے ایک صاحب بیعت ہوئے حضرت نے انہیں ذکر کی تلقین کی اور تین چلہ میں
سلوک چھپا یا مگر انہوں نے بہت سے اعتذار بیان کئے اور جانے پر اصرار کیا حضرت نے اجازت دے دی
اور ارشاد فرمایا۔ معتقدات کو کون ٹال سکتا ہے، وہ دو گھڑیوں میں بعضوں کی ترقی کر رہا تھا۔ میرے حضرت
سہارنپوریؒ نے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا۔ میری حقیقت کچھ بھی نہیں میری مثال نل کی ہے جو ہینڈل
چلانے والوں کی طاقت سے متعلق ہوتا ہے۔ کھینچنے والے کی قوت و طلب پر مدار ہے۔ یہی میری مثال ہے۔
اتنا ضرور ہے کہ نل کے بغیر پانی نہیں نکلے گا، مگر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ نقل کے بارے میں
بعض لوگوں نے میرے حضرتؒ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ مدرسہ کے ملازم کیا مستقل آدمی کی ضرورت
ہے چنانچہ ایک دوسرے صاحب اس کے لئے مقرر ہوئے لیکن یہ بیوی کی بیماری والے آدمی تھے جلدی
جلدی گھر جاتے تھے دو دو دن کہہ کر جاتے تو چار دن میں واپس آتے۔ میں حضرتؒ سے عرض کرتا کہ ان کی
عدم موجودگی میں جو خط آئے ہیں بھیجوں۔ حضرتؒ فرماتے مدرسہ کا حرج ہوگا۔ میں زور سے کہتا کہ یہ سارے مدرسے کی
بیماری وغیرہ کی رخصت لیتے رہتے ہیں، میں تو کبھی غیر حاضر نہیں ہوا، دو دن کی چھٹی لے لیتا ہوں تاکہ

حضرت سہارنپوریؒ کے سامنے پان کھانے سے احتراز

ارشاد فرمایا: میں اپنے والد صاحبؒ کے زمانے میں پان بغیر تمباکو کے کھاتا تھا البتہ بعد میں تمباکو کھانا شروع کیا میرے حضرتؒ کے یہاں "بذل" کے لکھنے کے وقت پیچھے سے اچھے پان کا آنا گراں گزرتا تھا، جب کوئی آجاتا تو میں "تذکرۃ الصحاح" لکھنا شروع کر دیتا (تفصیل کے لئے آپ بیتی نمبر ۲ ملاحظہ ہو) میں نے خوب پان کھائے، مگر ان دانتوں پر والد صاحبؒ اور میرے حضرتؒ کے دور میں کبھی سرخی نہیں آئی، صبح کے وقت حضرتؒ کے یہاں ڈاک آتی تھی، اس وقت چپکے چپکے میں پان کھالیتا تھا اور اس کا سلسلہ میں نے کتب خانہ کے ملازمے کے رکھا تھا، ایک مرتبہ حضرتؒ کے ساتھ گنگوہ جانا ہوا، وہاں بڑی امّاں رشتہ کی امّاں نے ایک بڑا پان میرے لئے اور ایک چھوٹا حضرتؒ کے لئے بنا کر بھیجا، اس وقت میرے پان کھانے کا حضرتؒ نے ذکر فرمایا۔

طلباء کا اجتماع

۵ رمضان المبارک سے آخر رمضان تک مسجد کے صحن میں طلباء کا اجتماع ۱۰ بجے دن سے ۱۱ بجے تک ہوتا تھا۔ اس کا آغاز حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کی تقریر سے ہوا، افسوس کہ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے میں پوری تقریر میں شریک نہ ہو سکا، حضرت مولانا نے طلباء اور علماء کی ایک مقصد سے آمد پر ایک خوشی اور یہاں حاضری کی قدر و قیمت کو بتایا، دوسرے دن حضرت مولانا منظور نعمانی کی تقریر بھی اسی نہج پر فرمایا کہ آپ سب حضرات ایک اہم مقصد کے تحت یہاں حاضر ہوئے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اس امت کو اعمال کا وارث بنایا اسی طرح روحانیت کا بھی وارث بنایا ہے اور اس کا سلسلہ امت میں تسلسل کے ساتھ قائم ہے، ہم اپنے طور پر بھی روزہ، تلاوت وغیرہ اعمال سب کرتے ہیں مگر یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ان میں روحانیت پیدا ہو جائے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ حضرت اقدس مدفیوضہم کو انشراح ہو اگر خدانخواستہ کسی بات سے تکدر ہو تو اندیشہ ہے کہ کہیں سارا مجمع محروم نہ ہو جائے اس کے لئے دو باتوں کا خاص دھیان کرنے کی ضرورت ہے

(۱) تحفظ اوقات۔ (۲) بے ضرورت بات نہ کی جائے۔

ان تقریروں کے بعد اس اجتماع میں بواسطہ تذکیر و تبلیغ الفتح الربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سنانے کا سلسلہ شروع کیا گیا

ستر ھویں مجلس

۱۰ رمضان المبارک

اللہ تعالیٰ کا نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے میرے والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب) حضرت گنگوہیؒ کے مخصوص خادم تھے: والد صاحب سے دریافت فرمایا مولوی یحییٰ یہاں کون کون ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کو جب کوئی اہم بات فرمانی ہوتی تو اس وقت مذکورہ سوال بار بار فرمایا کرتے تھے والد صاحبؒ نے عرض کیا کہ میں ہوں اور الیاس ہیں (بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے چھوٹے بھائی) اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ کا پاک نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا" یہی میری بھی رائے ہے کافر بھی اسی سے مسلمان ہوتا ہے اگر اعتقاد کے ساتھ اس کو پڑھا جائے تو کفر دھل جاتا ہے مگر ذاکرین شروع میں یہ کام کرتے ہیں، بعد میں ان پر جیسے جیسے حالات پیش آتے ہیں یہ بہت نازک مرحلہ ہے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہئے، جب قلب ذکر سے مانوس ہو جاتا ہے تو وہ حالات کم ہو جاتے ہیں اس سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

شعر: کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

برادرم مولانا عبدالرحیم شاہ ندوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم نے یہ شعر بھی سنا ہے؟

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

احقر نے عرض کیا کہ یوں حضرت سنا ہے۔ ارشاد فرمایا: ہمارے حضرت تھانویؒ نے اس میں ترمیم فرمائی ہے۔ ع: ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

یعنی ایسی تسبیح بھی اثر رکھتی ہے لیکن یہ ترمیم دراصل حضرت گنگوہیؒ کی فرمائی ہوئی ہے

نسبت کے اقسام اربعہ ارشاد فرمایا: تحریر سے متعلق تحفۃ الکرام ہو، ابو عبداللہ کی کے حاشیہ پر ایک مضمون حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تفسیر عزیزی سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ مضمون زمانہ کیفیت کات بین "اقرأ" کے تحت "لفظی" کی تشریح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ جب پہلی مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور حضورؐ سے پڑھنے کے لیے کہا تو آپ نے فرمایا کہ "ما انا بقاری" "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ دبوچا، اس کے بعد آپ پڑھنے لگے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے "حتی بلغ منی الجهد" اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس میں انتہائی مشقت ہوئی۔ اس پر بڑا اشکال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصل ہیئت میں تشریف لائے تو ایک پہاڑ کو تہ و بالا کر دیا۔ یہاں آدمی کی صورت میں تشریف لائے جو کسی کی نرانی ہیئت اختیار کرتا ہے اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے اگر صاحب جن کی شکل میں آئے تو ایک کنکری سے اگر مارا جائے تو مر جائے گا۔ (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا قصہ مشہور ہے دیکھو تذکرۃ الرشید) لیکن اگر جن اپنی اصل ہیئت و صورت میں آئے تو اس کا مرنا آسان نہیں۔ بخاری شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا، جب حضرت عزرائیل علیہ السلام ان کی روح قبض کرنے آئے تو انہوں نے تھپڑ کھینچ کر مارا، ان کی ایک آنکھ نکل گئی۔ اس پر بہت سے جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ میرے پاس بھی اس پر اعتراض کے بہت سے خطوط آئے۔ مگر یہاں بھی وہی بات ہے کہ ملک الموت علیہ السلام آدمی کی صورت میں آئے تھے۔ اس لیے مارنے کا اثر ظاہر ہوا۔ معلوم ہوا کہ اگر روحانی (ہیئت) بدل جائے تو اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں جیسے کہ

یہ ہے کہ فرشتہ نے یہ نہیں بتایا کہ میں ملک الموت ہوں۔ میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں فرشتہ نبی کی روح قبض کرنے کے لئے اس کی اجازت لے کر آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت " اللھم الرفیق الاعلیٰ " فرمایا۔ اس سے نبی کو جو اختیار دیا جاتا ہے اس کا مطلب سمجھ میں آیا چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بغیر اجازت کے فرشتہ آیا تھا لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں جلال غالب تھا۔ اس لئے تھپڑ مارا۔ بہرحال حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دبوچا، علماء فرماتے ہیں کہ یہ استاد کی تنبیہ تھی شاگرد کے لئے۔ اس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ استاد تین مرتبہ شاگرد کو تنبیہ کر سکتا ہے لیکن میرے نزدیک درحقیقت یہ دبوچنا نسبت اتحادیہ پیدا کرنے کے لئے تھا۔ نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ، تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں، بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسا عاشق مطیع و وفادار معشوق میں ہوتا ہے اس کو وصول الی اللہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے نسبت کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) **نسبت انعکاسی:۔** اس کا مطلب یہ ہے کہ مرید جب ذکر کرتا ہے تو شیخ کے قلب کا عکس مرید پر پڑتا ہے۔ وہاں کے قلب میں اثر پیدا ہوتا ہے، جیسے آگ سے موم میں پیدا ہوتا ہے مگر یہ اثر بالکل ابتدائی ہوتا ہے شیخ کی صحبت سے یہ اثر شروع ہوتا ہے ایسی صورت میں جو رونا دھونا ذوق و شوق وغیرہ کا اثر محسوس ہوتا ہے وہ سب شیخ کی توجہ کا اثر ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے بہت زیادہ مقدار میں عطر لگا رکھا ہے اب جو اس کی مجلس میں بیٹھے گا وہ خوشبو محسوس کرے گا بلکہ یہ خوشبو مشام جان کو معطر کر دے گی۔ مگر اس کا اثر اسی وقت تک ہے جب تک کہ شیخ کی مجلس میں موجود رہے۔

ذکر و شغل سے یا اللہ کی وجہ سے قلب میں جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک بڑے میاں اپنے لڑکے سے کہتے تھے کہ کلام کو دو دو سطر حفظ کرا دوں گا۔ کسی نے ان سے اس کا مطلب پوچھا اس نے کہا کہ اس کو پہلے کسی مکتب میں داخل کروں گا، ایک دو پیسہ دیتا رہوں گا، حافظ صاحب قریب بیٹھے

کہ اس کو پڑھائیں گے جب اس کو چسکا لگ جائے گا تو پھر بطور شکر خود پڑھانے لگے گا۔ میں ممتاز گیاوی کا قصہ سنا چکا ہوں شعبان میں مظاہر علوم سے دورۂ حدیث کا امتحان دے کر تھانہ بھون گیا اور شوال میں وہاں سے خلافت لے کر اپنے وطن واپس گیا۔ میں نے اپنے بزرگوں کے یہاں ایسے کئی اشخاص کو دیکھا ہے کہ وہ دورۂ حدیث کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے لیکن یہ نسبت کسی ادا پر مل جاتی ہے۔ ممتاز گیاوی کو اپنے زمانۂ طالب علمی ہی میں بے ضرورت بات نہ کرنے پر کامیابی ہوئی۔ اسی نسبت کا اثر یہ ہے کہ شیخ کی توجہ کا اثر مرید کے قلب میں پڑتا ہے۔ انوار میں آتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ نسبت بہت کمزور ہے تھوڑی دیر کے لئے آئینہ ہٹ جائے یعنی شیخ مجلس سے ہٹ جائے تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے مگر تیسری رائے یہ ہے کہ اس سے نہیں جاتی بلکہ اگر کوئی اس راہ میں مرشد تو ختم کرتی رہتی ہے۔ البتہ سامنے سے خاص کر بدنگاہی سے یہ بہت جلد ضائع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔

بعض مشائخ بعض مخصوص حالات میں اس پر اجازت بھی دیدیتے ہیں اس خیال سے کہ مرید پیچھے نہیں ہٹے گا۔ میرے خیال میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض مریدین کو بیعت کے ساتھ ہی اجازت دیدی تھی کہ ان کی بھی یہی صورت تھی اور حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کو ایک ہی ہفتہ میں خلافت دے دی تھی وہ بھی اس غرض کی تھی۔ مگر اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں "پھر تو میں مرشد" حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کے یہاں اس پر اجازت دینے کا دستور تھا۔ ان دونوں کے یہاں خلفاء کی دو قسمیں تھیں ایک مجاز بالصحبت اور مجاز بالبیعت۔ البتہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں اس پر اجازت دینے کا دستور نہیں تھا۔ ابتداء میں حضرت مدنیؒ کے یہاں بھی نہیں تھا مگر اخیر میں ہو گیا تھا۔ میری حضرت تھانویؒ و حضرت رائپوریؒ سے اس مسئلہ پر گفتگو بھی ہوئی ہے۔ ان حضرات نے فرمایا! نسبت انعکاسی پر اجازت کسی ایسے شخص کو دی جا سکتی ہے جو کسی ایسے علاقہ کا رہنے والا ہو کہ وہاں بدعات کا زور ہو اور توقع ہو کہ اجازت دینے سے اس علاقہ میں کام کرنے کے سبب یہ اپنی نسبت کو اور ترقی دے سکے گا۔

۲۔ **نسبتِ القائی** شیخ اپنے قلب کی نورانیت سے دوسرے طالب کے اندر ایک نورانی کیفیت پیدا کر دے۔ اس کیفیت کا باقی رکھنا مرید کا اپنا کام ہے۔ اگر ذکر و شغل پر مداومت کرتا ہے تو یہ کیفیت باقی رہے گی ورنہ ختم ہو جائے گی۔ اس کی مثال حضرت شاہ صاحبؒ نے چراغ سے دی ہے جیسے کوئی چراغ لے آوے اس میں تیل و بتی ڈالی ہو اور شیخ کی لو سے لو لگا کر اپنے چراغ کو جلا لے۔ یہ چراغ شیخ کے بعد بھی جلتا رہے گا جب تک زیادہ تیل و بتی صاف ہوں گے روشنی بڑھتی رہے گی بشرطیکہ کوئی تند و تیز ہوا اسے گل نہ کر دے۔ یہ نسبت پہلی سے اونچی ہے اس پر میرا حاشیہ یہ ہے کہ اگر اس نسبت والے معمولات کی پابندی کرتے رہیں اور معاصی سے پرہیز کرتے رہیں اس کے بعد اگر کوئی معمولی لغزش ہو جائے تو بھی یہ باقی رہے گی لیکن اگر کسی بڑی معصیت کا صدور ہو گیا تو یہ بجھ جائے گی۔

ارشاد فرمایا۔ معاصی دو قسم کے ہیں، حیوانی و شیطانی۔ حیوانی کھانا، پینا، شہوت وغیرہ شیطانی تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنا اور سمجھنا آپ کو اونچا سمجھنا، اس کو رسالہ اسٹرائک میں میں نے لکھا ہے مفتی محمود صاحب نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ اس سے پہلی قسم کے معاصی کی اہمیت ہلکی ہو جاتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پہلی قسم کے معاصی ہونے دھونے سے معاف ہو سکتے ہیں اور دوسری قسم میں توبہ کی توفیق کم ملتی ہے آدمی اس کو گناہ سمجھتا ہی نہیں یا اس کی معافی دیر سے ہوتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کے پاس جانے سے روک دیا گیا تھا مگر وہ غلطی سے گئے پھر توبہ کی اور وہ قبول ہوئی۔ ابلیس نے سجدے سے تکبر کی بنا پر انکار کیا تھا۔ پہلی قسم میں انکسار پیدا ہوتا ہے اور دوسری میں اللہ کی کبریائی سے مقابلہ۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے حالات قابلِ رشک تھے مگر دوسروں پر تنقید اور تحقیر نے انہیں گرا دیا۔ بہرحال اس نسبت سے اگر دوسری قسم کے معاصی مرتکب ہوئے تو خطرہ زیادہ سخت ہے۔

میں نے اپنے بزرگوں اور صلحاء میں نسل کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں، حضرت اقدس گنگوہیؒ کے دور سے لے کر مولوی انعام صاحب کا دور میرے سامنے ہے۔ ایک عجیب [illegible] میں

دیکھی کہ ہر دور میں لوگ یہ کہتے رہے کہ جو بات حضرت میں تھی وہ ان میں نہیں ہے مثلاً کہتے تھے کہ جو بات مولانا محمد الیاسؒ میں تھی وہ حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحبؒ) میں نہیں، میں کہا کرتا تھا جو بات میرے حضرت میں تھی وہ چچا جان میں نہیں تھی، حضرت گنگوہیؒ کے لوگوں میں بعض حضرات ایسے تھے جو بعد والوں کے لئے مشائخ کے درجے کے تھے مگر بعد میں حضرتؒ کے خلفاء سے رجوع نہیں کیا، معاصرت حجاب بن گئی اس لئے محروم رہ گئے۔ حضرت مدنیؒ نے لکھا ہے کہ جب مجھ کو اجازت ملی تو میں تڑپ گیا۔ اجازت ایک بجلی کوند جائے اور پھر چھپ کر رہ جائے یہ درحقیقت اجازت ہے، یہ نسبت پہلے سے تو نہیں ہوتی ہے دیکھو کس کو کون پکا کرے گا تو پکا رہے گا ورنہ رخصت ہو جائے گا۔

(۳) نسبت اصلاحی:- یہ پہلی دونوں نسبتوں سے اونچی ہے، اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ شیخ اپنی لازم نسبت کا وافر حصہ مرید کے لئے فراہم کر دیتا ہے لیکن اس میں تدریجی ترقی ہوتی ہے، پہلے اخلاق درست کرتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ ترقی دیتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نہر کھودے اور اس کی صفائی کرے اور اس نہر کو کھودتے کھودتے کسی بڑے دریا یا سمندر کے دہانے سے ملا دے، اس نہر میں اگر معمولی خس و خاشاک آ جائیں گے تو وہ بہہ جائیں گے اور اگر کوئی لغزش صادر ہو جائے تو بہہ جائے گی، یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ساتھی کو یہ دیکھ کر غلط فہمی نہ ہو کہ فلاں حضرت سے بھی لغزش و معصیت صادر ہو گئی ہے، اس لئے میرے لئے گنجائش ہے اگر کوئی ایسا سوچے گا تو ہلاک ہو جائے گا، یہی وہ وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ سے بعض کمزوریوں کا صدور ہوا مگر حضورؐ کی صحبت بابرکت سے سب کچھ بہہ گیا یعنی انہوں نے ایسی توبہ کی کہ سب کچھ صاف ہو گیا، نسبت اصلاحی میں سالک اپنے نفس کی تہذیب کر لیتا ہے

(۴) نسبت اتحادی:- شیخ مرید کے قلب کے اندر اتر جائے۔ "من تو شدم تو من شدی" کے مصداق بن جائے جو شیخ کے قلب میں آئے وہی مرید کے قلب میں آئے

اس نسبت میں شیخ اپنی روح کو مسترشد کی روح سے متصل کر دیتا ہے اور ان کمالات کا پوری توجہ سے اضافہ کرتا ہے جو شیخ کی روح کے اندر موجود ہیں۔ یہ نسبت سب سے قوی ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا واقعہ ہے، جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے شیخ ہیں۔ دلی کے باہر رہتے تھے ایک دن چند مہمان آگئے، مقدر کی بات کہ شیخ اس وقت تہی دست تھے آٹا بھی پاس نہیں تھا کہ مزید مدارات کرسکیں شیخ بہت پریشان ہوئے کبھی حجرے کے اندر تشریف لے جاتے اور کبھی فرط اضطراب میں باہر آ جاتے، میں نے اپنے اکابر کے یہاں دیکھا ہے جب ان کے یہاں کوئی خاص مہمان آتا تو اس کا خاص اہتمام کرتے حضرت سہارنپوریؒ ایک مرتبہ طویل عرصہ کے بعد تھانہ بھون تشریف لے گئے تو حضرت اقدس تھانویؒ نے دسترخوان پر ۲۲ رکابیوں میں کھانا رکھ کر ضیافت فرمائی، حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا "کہ اس قدر کیوں تکلف کیا" تو حضرت تھانویؒ نے جواب دیا "حضرت کی آمد یہاں بہت کم ہوتی ہے":

بہرحال میں یہ قصہ سنا رہا تھا کہ حضرت باقی باللہؒ بہت مضطرب تھے ان کے قریب ہی ایک نانبائی کی دکان تھی، نانبائی پہلے سے شیخ کا معتقد تھا اس نے دیکھ کر پہچان لیا کہ شیخ مہمانوں کی خاطر داری نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں اس نے فوراً عمدہ کھانا حاضر کر دیا، مہمانوں نے کھانا کھا لیا۔ شیخ علیہ الرحمہ اس پر بہت خوش ہوئے اور اس نانبائی سے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے عرض کیا کہ حضرت کی دعاؤں سے سب کچھ اللہ کا عطا کردہ موجود ہے، حضرت نے جب اصرار فرمایا تو اس نے کہا کہ حضرت مجھے اپنا جیسا کر دیجئے، حضرت خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اور کچھ مانگا ہوتا، لیکن نانبائی نے اس خواہش و مطلب پر اصرار کیا، شیخ اس کو اپنے حجرے میں لے گئے اور توجہ دے کر اپنی روح کو جو حامل کمالات تھی اس کی روح سے متحد کر دیا اور اسے ان کمالات کا حامل بنا دیا مگر چونکہ یہ متحمل نہیں تھا، نانبائی برداشت نہ کر سکا اور تیسرے دن واصل بحق ہو گیا، غرض تھوڑی دیر کے بعد جب دونوں حجرے سے نکلے تو نانبائی شیخ کی شبیہ بن چکا تھا حتیٰ کہ صورت میں بھی کوئی فرق نہ تھا فرق تھا تو صرف اس قدر کہ شیخ ہوشمند تھے اور نانبائی مست اس پر ایک سکر کی کیفیت طاری تھی، یہ نانبائی تین دن کے بعد واصل بحق ہو گیا۔

ارشاد فرمایا۔ مگر یہ نانیہالی حضرت خواجہ باقی باللہؒ بن کر ہوئی چونکہ یہ چیز نانیہال کی طرف سے دفعتاً دی گئی تھی، اس لئے نانیہال برداشت نہ کر سکا اس عالم فانی میں کمالات عطا کرنے کا قانون تدریج ہے۔

یہاں نقل فی میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دبایا یہ در حقیقت نسبت اتحادی حاصل ہونے کے بعد آپ پڑھنے لگے سو نیا کی چیزوں کی اصل حدیث میں موجود ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اتحادی حاصل تھی چنانچہ ہر موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے حضورؐ کی رائے کے مطابق ہوتی تھی، بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں دونوں کی رایوں میں اتفاق تھا، حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عمرؓ نے اگر حضورؐ سے گفتگو کی جن الفاظ کے ساتھ حضورؐ نے ان کو جواب دیا، جب حضرت ابوبکرؓ سے عمرؓ گفتگو ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی انہیں الفاظ میں حضرت عمرؓ کو جواب دیا تھا حالانکہ ایک دوسرے کو اس کی خبر نہیں تھی۔ اسی لئے حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت بھی ضروری تھی تاکہ دو سال چند ماہ صحابہ کرام حضورؐ کے وصال کے صدمہ کو برداشت کر لیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ٹھیک حضورؐ کی پیروی کی جب حالات میں استحکام پیدا ہو گیا تو حضرت عمرؓ کی خلافت کی ضرورت تھی۔

فرمایا۔ میں نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اپنی صورت و سیرت میں بالکل اپنے شیخ کے مشابہ تھے۔

کبھی شاگرد استاد سے بڑھ سکتا ہے

فرمایا۔ حدیث میں آیا ہے: رب مبلغ اوعی من سامع حضرت امام بخاریؒ نے اس پر ترجمہ قائم کیا ہے اور علماء نے اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شاگرد استاد سے بڑھ جاتا ہے جیسے امام بخاریؒ اپنے بہت سے شیوخ سے بڑھ گئے تھے، علماء نے مذکورہ بالا حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ علم کو اپنے اصاغر سے بھی لینا چاہئے، یہی حال سلوک کا ہے، اگر صحیح و شاملہ ہو

بات میں کچھ بتا دیا کرو تو بہت سی ترقیات کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

ایک مبلغ کا خواب حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ظلہ بھی آپ کی مجلس میں تشریف فرما تھے انہوں نے ایک مبلغ کا خواب سنایا جو باہر جماعت میں گئے تھے کہ انہوں نے خواب میں حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، فرما رہے ہیں کہ میرے زمانے میں تبلیغ کی اتنی اشاعت نہیں تھی، جتنی مولانا انعام الحسن صاحب کے دور میں ہوئی فرمایا: مولانا انعام الحسن صاحب ہند کا امام ہیں، تم لوگ ان کے ساتھ پورا تعاون کرو۔

اٹھارھویں مجلس

۱۸ رمضان المبارک

ہر تنقید قابل قبول نہیں ارشاد فرمایا، میرے اقوال و افعال قابل احتجاج نہیں جب تک کہ تحقیق نہ ہو جائے البتہ حضرت کا ہر قول قابل احتجاج ہے اس لئے کہ مولویوں یا مقتدیوں کو میں بار بار لکھا دیتا ہوں۔ فرمایا، آج مولانا ابرار صاحب خلیفہ حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک تنقید کی اور حقیقت کی تنقید تھی ویسی تنقید مجھ پر بھی کی گئی ہے، انہوں نے اعتراض کیا کہ یہاں کی تراویح بہت معیاری ہونی چاہیئے حضرت نے فرمایا، یہاں کی ہر چیز معیاری ہونی چاہیئے مجھے اس سے انکار نہیں، البتہ ہر شخص کے مصالح ہوا کرتے ہیں جس کو وہی سمجھتا ہے، مقدمہ اوجز میں لکھا ہے حضرت امام مالکؒ اخیر زندگی میں مدینہ منورہ کے قیام کے باوجود مسجد میں شرکت جماعت کے لئے نہیں جاتے تھے، جب ان سے لوگ دریافت فرماتے تو فرماتے، مجھے عذر ہے بعض وجوہ سے میں اس کو بیان بھی نہیں کر سکتا میں نے نظام الدین مرکز تبلیغ بار بار لکھا کہ تمہارے یہاں کئی مساجد میں تراویح ہوتی ہے مگر ایک مسجد ایسی بھی ہونی چاہیئے کہ اس میں پانچ چھ دن میں ایک قرآن ختم ہوا کرے تاکہ وہاں آنے والوں کو بھی پورا قرآن سننے کا موقع مل سکے۔

یہاں بھی ہر عشرہ میں ایک قرآن ختم کرا دیا جائے تاکہ تبلیغ والوں کو اور مدارس کے چندہ وصول کرنے والوں کو بھی پورا قرآن سننے کا موقع مل سکے

تھانہ بھون حاضری اور وہاں قرآن سننے کی فرمائش

ارشاد فرمایا۔ ایک مرتبہ یہ ناکارہ اور مولانا عبداللطیف صاحب ناظر مدرسہ مظاہر علوم رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ ہم لوگ سہ دریہ کے صحن میں کھانا کھانے بیٹھے، حضرت مکان کے اندر سے بہت ہی ہنستے ہوئے تشریف لائے وہ منظر آج بھی آنکھوں و کانوں میں گونج رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا "مولانا زکریا صاحب آج ایک عجیب بات معلوم ہوئی کہ آپ قاری بھی ہیں" میں نے عرض کیا حضرت بالکل نہیں میں تو مدرسہ میں قرآن پڑھا ہوں۔ حضرت نے فرمایا مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ آپ قاری نہیں ہیں مگر یہ عورتیں مکان میں بہت ساری جمع ہیں اور متفق اللسان ہیں کہ آپ قاری ہیں۔ سو آپ سے قرآن سننے کی میرے واسطے سے درخواست کر رہی ہیں، مجھے معلوم تھا کہ بھائی احمد علی صاحب کی بیوی اپنی اہلیہ کے آئے ہوئے ہیں، میں نے پوچھا کہ حضرت بھائی احمد علی کی اہلیہ تو ان میں نہیں۔ حضرت نے فرمایا کیسے کہا۔ میں نے عرض کیا کہ تو بات صحیح ہے پھر میں نے تحفۃ الاخوان اور شرح جزری کا سارا قصہ سنایا اور میں نے کہا کہ حضرت میں مدینہ میں قاری ہوں اور ہندوستان میں نہیں۔

مدینہ پاک میں تجوید شروع کرنے کا قصہ

فرمایا۔ ۱۳۴۵ھ میں جب مدینہ پاک ایک سال کے لئے میری حاضری ہوئی تھی تو وہاں کچھ تجوید پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور مقری الشیخ استاذ الاساتذہ قاری حسن شاعر جو اس زمانے میں مصر تھے اور مدینہ کے قراء کے مشہور استاد تھے بڑا ان کا شہرہ تھا میں نے ان سے شاطبی شروع کی لیکن پہلے ہی سبق میں لڑائی ہو گئی، اس لئے کہ حضرت قاری صاحب نے یوں فرمایا کہ مطلب سمجھنے کی ضرورت نہیں اشعار حفظ کر لو۔ اس ناکارہ نے عرض کیا اشعار تو ضرور حفظ کر کے سنایا کروں گا مگر اس کے مطلب نہ سمجھوں اتنے قرآن کے الفاظ کی طرح اس کے اشعار کو یاد کرنے کا کیا فائدہ۔ میرے حضرت قدس سرہ کو کئی ماہ کے بعد اس قصہ کی خبر ہوئی تو حضرت نے فرمایا تو نے مجھ سے کہا شاطبی تو مجھے سہارنپور میں پڑھاتا۔ قاری صاحب کی شاگردی تو اسی دن ختم ہو گئی تھی لیکن ان

کی شفقت و محبت اب تک بھی رہی جب کبھی وہاں حاضری ہوئی تو وہ بہت فخر سے فرماتے
کہ یہ میرے شاگرد رشید ہیں۔ ان کی عربی تالیف "تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن" کا
ان کے حکم سے اردو میں ترجمہ کیا تھا جو بار بار طبع ہوا اور انہیں کے حکم سے طلبہ کے لئے شرح
عربی جزری کی لکھی تھی۔

ارشاد فرمایا۔ ایک زمانہ میں مدرسہ قدیم کی مسجد میں میں نائب امام تھا، قاری کلو
محمد حسین احمد الہ آبادی نے ایک مرتبہ میرے حضرت سے فرمایا: مولوی زکریا کے پیچھے نماز رہ جاتی
ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میری تو رہ جاتی ہے، تمہاری نہ رہتی ہو تو اعادہ کر لو یعنی حضرت
اقدس رحمۃ اللہ علیہ قرآن تیز پڑھتے تھے۔

انیسویں مجلس

۱۹ رمضان المبارک

خانقاہوں کی بربادی پر اظہار افسوس اور مدارس میں اسٹرائک کا سبب

ارشاد فرمایا۔ میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے تم سمجھا سکو

خانقاہیں برباد ہوچکی ہیں ذرا مجھ کو بتاؤ۔ خانقاہ تھانہ بھون کا تذکرہ رہا۔ خاص طور سے میرے مخاطب (مولانا ابو علی میاں اور مولانا منظور صاحب بھی اس مجلس میں حاضر تھے) بتاؤ ان کی آبادی کی کیا صورت ہو؟ ہم نے سن رکھا ہے اور خوب سنا ہے ایسے میں آخری کوشش کرنے جا رہا ہوں اور میں نے اپنے متعلقین میں بھی یاد دلایا ہے کہ دنیا کے لئے ہماری جو کوشش ناکام ہو تو بھی کام آئے گی مگر ہم نے کلمہ خیر کہا۔

آج ہمارے مدارس میں ساری اسٹرائک وغیرہ سب اسی خانقاہی زندگی کی کمی سے پیش آرہی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر زمین میں اللہ اللہ کہنے والے ختم ہوجائیں تو قیامت آجائے گی یہی حال مدرسوں کی بقاء کا ہے۔ اللہ کا نام خواہ کتنی ہی بے توجہی سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ ہم لوگوں میں اخلاص نہیں رہا۔ انشاء اللہ کرنے کے سلسلے کو بڑھاؤ۔ اللہ کا نام جہاں کثرت سے لیا جائے گا وہاں فتنہ نہ ہوگا۔ اللہ کا ذکر جو اوقات وقفوں میں مندرج کر دی ہے پہلے زمانے میں دورۂ حدیث میں خلیفوں کی ایک تعداد ذاکر ہوا کرتی تھی۔ ذاکرین، ہر چند وہ ذکر خواہ ریا ہی سے کریں نفلیں خواہ ریا ہی سے پڑھو مگر اس پر عمل ضرور

مگر میں نے بڑا مزا اٹھایا۔ سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے تعلمنا الدین لغیر اللّٰہ فابٰی
ان یکون الا للّٰہ" علم ہم نے غیر اللہ کے لئے سیکھا مگر علم نے انکار کر دیا الا یہ کہ اللہ
کے لئے ہو گیا۔ میں نے اس کی طرف مولانا قاری طیب صاحب کو بہت خطوط میں توجہ
دلائی ہے اور منتظمین مدارس سے بھی کہتا رہا ہوں۔ اب نظام مدارس میں ذاکرین کی جماعت
منتخب ہوئی ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب نے عرض کیا۔ الحمدللہ یہ سلسلہ چلے گا۔ اس پر
حضرت نے فرمایا آدمی چاہئے۔

ارشاد فرمایا: مولوی منفعت علی صاحب جو میرے ابا جانؒ کے شاگرد تھے بعد میں
حضرت تھانویؒ سے ان کا تعلق ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک خط لکھا کہ تبلیغی جماعت کا طریقہ
کے بارے میں کیا رائے ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں ان جیسا تو آدمی نہیں ہوں۔ البتہ اپنے دونوں
بزرگوں حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ کو کتاب و سنت کا سمجھا ہوا ان دونوں میں جس کا
اتباع کرو مفید ہوگا۔ ہمارے اکابر حضرت گنگوہیؒ و حضرت نانوتویؒ نے جو دین قائم کیا تھا
اس کو بعضوں نے سمجھا اور اب تو حضرت رشیدؒ پیدا ہونے سے رہے۔ بس ان کی اتباع میں لگ
جاؤ۔ اللہ کا نام کثرت سے لیں۔ پکڑو۔ ان شاء اللہ دل روح میں آ جائے گی۔ ہمارے اکابر
طالب علموں کو بیعت نہیں کیا کرتے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ اس مسئلہ میں سخت تھے۔ مگر حضرت
کے دور میں طالب علم والحمدللہ ذی علم تھے طلبہ پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔ اب میں ان میں
نسبت پیدا کی اس دور کے لحاظ سے یہی مناسب تھا۔ شاید اس کے ذریعے ذکر میں لگ جائیں
ورنہ اخبار بینی میں مشغول ہو کر اوقات ضائع کریں گے۔

امسال اور گذشتہ سال کے رمضان میں موازنہ

ارشاد فرمایا: نصف سے زائد رمضان گذر چکا ہے کچھ
کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد
منظور نعمانی صاحب کو خصوصی طور سے مخاطب کر کے فرمایا۔ میرا پچھلے سال رمضان میں ایک معمول ہو گیا تھا

نے عرض کیا تین اہلیہ کا انتقال ہو چکا ہے اگر چوتھی کا ہو جائے گا تو پھر نہیں آ جائے گی۔
حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی چار پانچ سال میں مناسبت ہوتی ہے پھر وہ چل بستی ہے۔

مردِ مومن موت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے

ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنی موتوں کو ایسی بناؤ کہ لوگ دیکھ کر رغبت کریں۔

یاد داری کہ وقت زادن تو — ہمہ خنداں بدند و تو گریاں
ہمچناں زی کہ وقت مردن تو — ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

"اس وقت کو یاد کرو کہ تمہاری ولادت کے وقت سب ہنس رہے تھے اور تو رو رہا تھا اسی طرح تمہاری موت کے وقت یہ ہونا چاہیے کہ لوگ روتے ہوں اور تو ہنس رہا ہو۔ جنت ہو اور ہی جانے لگا۔ جس نے کہ وہاں کے لئے کچھ تیاری کر رکھی ہو ایک بزرگ کے جب انتقال کا وقت قریب آیا اور جنت اس کی حوروں کے مناظر سامنے آئے تو انہوں نے ایک شعر پڑھا۔

ان کان منزلتی فی الحب عندکم — ما قد رأیت فقد ضیعت ایامی

اگر محبت میں میرا مقام وہی ہے جو میں نے دیکھا تو میں نے اپنے ایام زندگی کو ضائع کیا۔ کہتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں غائب ہو گئیں اور ایک اور چیز سامنے آئی اسے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنسے اور چل دیئے۔

میں نے اپنی پھوپھی صاحبہ کو دیکھا کہ جب ان کا آخری وقت آیا تو مجھے بلا کر فرمایا کہ مجھے جلدی سے اٹھا کر بٹھا دو۔ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں۔ اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔ میرے دادا مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کا جب انتقال ہوا تو نظام الدین سے دلی تک ساڑھے تین میل کا ہجوم لگ گیا تھا ایک صاحب کشف بزرگ نے دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب فرما رہے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کرو میں بہت شرمندہ ہوں حضورؐ مع اپنے صحابہؓ کے انتظار فرما رہے ہیں۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم — چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

بیسویں مجلس

۲۰ رمضان المبارک

کار خود کن کار بگذار گفتار ارشاد فرمایا۔ ریا کی تو قرآن و حدیث میں سخت مذمت وارد ہے، ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے تین شخصوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا، ان میں ایک ریاکار عالم بھی ہوگا جب وہ اپنے کارنامے بتلائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تم نے مخلوق کے واسطے کیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ میرے ذہن میں ہے کہ حالتِ اضطرار میں شراب پینے کی حد رمق تک کی شریعت نے اجازت دی ہے میری رائے یہ ہے کہ نفلوں کا گھروں میں پڑھنا اولیٰ ہے مگر موجودہ دور میں مساجد میں پڑھنا اولیٰ ہے۔ وہ زمانہ گیا جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نماز پڑھ رہے تھے، ان کی مسجد کے منارہ پر منجنیق چلائی گئی وہ منارہ گر گیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا، یہ دھمک کہاں سے آئی، اس لئے نفل کو خواہ ریا ہی سے کریں، انشاء اللہ عمل کی برکت سے اخلاص پیدا ہو جائے گا، موجودہ دور میں اگر مقتدی لوگ اپنے گھروں میں نوافل پڑھیں گے تو یہ مقتدی ایک بھی نہیں پڑھیں گے۔ ہم لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم مقتدا ہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا: اس طرح مقتدیوں کا اعتراض بھی ختم ہو جائے گا، دیوبندی کے لوگ سنتیں نہیں پڑھتے، ان کو حنفیت کی سنت سے نسبت نہیں؟ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا، ان کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے یہ تو کسی طرح بھی نہیں بیٹھنے دیں گے ایک تبلیغی جماعت کہیں گئی، وہاں لوگ

نے اعتراض کیا کہ یہ لوگ سلام نہیں پڑھتے! جب جماعت والوں نے سلام پڑھ دیا تو کہنے
لگے کہ دکھاوے کے واسطے پڑھا ہے، دل سے نہیں پڑھا۔ اس طرح کسی کے کہنے
سننے کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔

ایک بزرگ تھے ان کی بیوی ان کا کہنا نہیں مانتی تھیں، بزرگوں کی بیویاں اکثر اسی طرح
کی ہوتی ہیں کیونکہ انہیں ہر وقت حقوق کی ادائیگی کی فکر رہتی ہے۔ انھوں نے اپنی بیوی کو
اپنی کرامت دکھانی چاہی چنانچہ اپنے مکان کے اوپر پرواز کی۔ ان کی بیوی نے بھی فضا
میں اڑتے ہوئے دیکھا مگر جب یہ گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ آج میں نے ایک بزرگ کو دیکھا
ہے جو چھت کے اوپر اڑ رہے تھے۔ تیرے میں کیا کمال ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ تو میں ہی تھا
بیوی نے کہا جب ہی ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے۔ بھائی یہ دنیا تو ایسے ہی کسی بات پر نہیں
دیں گے۔

ایک مشہور قصہ ہے، باپ بیٹے ایک گدھے کو لیجا رہے تھے، باپ سوار ہو گیا اور بیٹا پیدل
چلنے لگا۔ کچھ لوگوں نے دیکھا تو کہا کہ کیسا بے رحم باپ ہے خود سوار ہے اور بچہ بیچارہ پیدل
چل رہا ہے۔ باپ اتر گیا اور بیٹے کو سوار کر دیا کچھ دور آگے پہنچے تو وہاں بھی کچھ لوگ ملے۔
انہوں نے کہا۔ یہ کیسا ظلم ہے؟ بیٹا سوار اور باپ پیدل۔ اس کے بعد دونوں سوار ہو گئے آگے
چلے تو وہاں بھی کچھ لوگ ملے انہوں نے کہا کہ ظلم کی انتہا ہو گئی ہے۔ یہ سن کر دونوں پیدل چلنے لگے
کچھ دور آگے چلے تو وہاں ایک مجمع نے انہیں دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ حماقت کی انتہا ہو گئی ہے
کہ سواری ہوتے ہوئے دونوں پیدل چل رہے ہیں۔ اس پر باپ نے کہا کہ یہ دنیا ہے، ہر صورت
میں تنقید کرنے والے ملیں گے۔

بہرحال کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ کی رضا کیلئے کام کرتے رہنا چاہیئے۔

طویل لباس کو شہرت سے خاص مناسبت ہے

ارشاد فرمایا غیروں کے لباس، وضع قطع سے احتراز
کرنا چاہیئے۔ میں اپنے پڑھنے کے زمانے سے دیکھ رہا ہوں

کہ ہر فرقہ کے پیشواؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ مسلمان ہندو عیسائی ہر ایک کے پیشواؤں کا لباس لمبا ہی ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخیت کے لئے طویل لباس کو کوئی خاص تعلق ہے۔ البتہ ہم مسلمانوں کو اپنے مشائخ و بزرگوں کے طرز کا اسلامی لباس پہننا چاہئے میں دس پندرہ برس پہلے جب تنگ و چست لباس والوں کو دیکھتا تھا، تو میرا فتویٰ یہ تھا کہ ایسے لوگوں کو پچھلی صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔

اپنے شیخ کے حکم سے تعلّی حرمان نصیبی کا سبب ہے

ارشاد فرمایا بڑے حضرت اقدس رائپوریؒ ایک سال حج کے لئے جا رہے تھے تو اپنے خلفاء سے فرمایا جب تصوف کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو تو حضرت سہارنپوریؒ سے رجوع کرنا اور جب سیاست میں پوچھنا ہو تو حضرت شیخ الہندؒ سے۔ اسی طرح میرے حضرت سہارنپوریؒ نے اپنے ایک سفر حج کے موقع پر اپنے خلفاء کو اپنی عدم موجودگی میں بڑے حضرت رائپوریؒ کے حوالے کیا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب نے دوسرے شیخ کی طرف رجوع کیا۔ حضرت جب واپس تشریف لائے تو فرمایا: یہ کھو گئے۔

حضرت تھانویؒ کا بڑے حضرت رائپوریؒ کے بارے میں ارشاد

فرمایا حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند و حضرت سہارنپوریؒ کی گود میں بیٹھ جانے تو خطرہ نہیں، مگر حضرت رائپوریؒ کی مجلس میں بیٹھتے ہوئے ڈر لگتا ہے، اس لئے کہ حضرت کا کشف بہت بڑھا ہوا تھا۔

تم سے ملتی تھی دلوں کو تازگی | تم چلے ارمان سارے مر چلے
الفراق اے ماہ رمضان الفراق | زخم دل پر کیا لگے نشتر چلے
آئے رحمت کو لئے ہر سال تو | تیری نکہت کی ہوا گھر گھر چلے
ایک جھونکا تیری رحمت کا ادھر | بہر الطاف اے کرم گستر چلے
پھر نہ جانے یہ لطافت کے دن ہوں نصیب | اور ذرا ہر جلوہ گردش پہ چلے
اور بھی کچھ اور بھی کچھ اور بھی | جو نہ کب در بند ساقی کر چلے

ساقیا اب تک رہا ہے جیسے چلاؤ
"جب تلک بس چل سکے ساغر چلے"

ذوق و شوق ہو تو ہر منزل آسان ہو جاتی ہے

ارشاد فرمایا کہ جو چیز دل میں جم جاتی ہے اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے، ہم نے سنا ہے کہ سینا والے دو ٹانگوں پر کھڑے رہ کر تسبیح کر دیتے ہیں اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں بزرگ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے رات بھر تہجد پڑھتے تھے تو لوگ اس پر حیرت کرتے ہیں، اصل ذوق و شوق ہے۔ خیر عشرہ شروع ہو رہا ہے۔ اگلے رمضان کی خبر نہیں، شک ہے یا نہیں اس لئے پچھلے دو عشرے کی کوتاہی کو دور کر لو۔

سماع و عرس وغیرہ کی حقیقت

ارشاد فرمایا: سماع و عرس وغیرہ کی ابتداء صحیح تھی مگر بعد میں اس میں بہت سی بدعات گھس آئیں اس لئے علماء محققین کو بدعت قرار دینا پڑا عرس ابتداء میں نظام الاوقات کی طرح کی ایک چیز تھی جیسے دار العلوم دیوبند و مدرسہ مظاہر علوم دونوں جگہوں پر بخاری شریف ختم ہوتی ہے پڑھائی جاتی ہے سہولت کے پیش نظر نظام الاوقات بنایا گیا یہ بدعت نہیں ہے میں نے حضرت گنگوہیؒ کے دور میں دیکھا کہ وہاں نماز عید تھی تکبیر، حضرت سہارنپوریؒ کی آمد ہوئی کبھی حضرت شیخ الہندؒ کی اور کبھی حضرت مدنیؒ کی تشریف آوری ہوتی تمام ... بات کرتے عرس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ شیخ کی وفات کے بعد ان کے متعلقین و

ارادتمند سالہا سال میں ایک دن تو بیعت و ملاقات و حلقہ قرآن پڑھانے کے لئے جمع ہوتے تھے اور اپنے شیخ کی تاریخ وفات ہر ایک کو یاد رہتی ہے میرے چچا جان کی وفات بروز چہارشنبہ صبح کی نماز کے پہلے ہوئی تھی ان کے سب مریدوں کو یہ یاد ہے بہر حال ابتداء میں یہ چیز اچھی تھی مگر بالآخر رسومات نے ان کو بدعت بنا دیا۔

اسی طرح سماع بھی اکثر مشائخ چشتیہ کا معمول ثابت ہے مگر اس کے کچھ شرائط ہیں جن کو امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں تحریر فرمایا ہے اس میں بہت سی خرافات پیدا ہو گئیں اس لئے حرام کہہ گیا۔ ولی کا ایک گروہ استمارہ بن کر گیا، وہاں ایک بدوی نے حدی خوانی شروع کر دی اس کا اونٹ بھاگا اور یہ گر گیا، کہنے لگے، اللہ کے رسولؐ ہم قربان جائیں لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ حضورؐ نے اسی لئے گانے کو حرام قرار دیا، اگر ہمارا گانا سنتے تو منع نہ فرماتے۔ ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے کہ کوئی اچھا قصیدہ سنتے تو جھوم اٹھتے۔ تذکرۃ الرشید میں ہے کہ حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہیؒ کو چکی کے پیسنے کی آواز پر وجد آ گیا۔

بڑوں پر تکبیر کرنے میں جلدی نہ کرو معتقد ہونا اور بات ہے لیکن نکیرو مخالفت نہ کرو دیکھو اگر وہ اللہ کے مقرب ہیں تو ان کی مخالفت کرنے والوں سے حق تعالیٰ نے اعلان جنگ کیا ہے "من عادیٰ لی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب الخ" تنقید کا حق ان کے معاصر کو ہے بے تحقیق حکم نہ لگاؤ۔ باریک فرق ہے۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند
بآواز دولاب مستی کنند

یزداں پرست اچھی آواز کے محتاج نہیں ہوتے وہ ادا پرست ہو جاتے ہیں جو بھی ادا پسند آ جائے اور دل کو بھا جائے۔

حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ بھی سماع کے قائل تھے[1] ان کے سماع کی کیفیت

---

[1] حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سماع کی چار شرطیں تھیں۔ ا۔ سامع از اہل ہوا و شہوت نباشد

پڑھی کہ امیر خسروؒ کچھ اشعار سنا گئے۔ اس پر سلطان جیؒ کو ہر چند سماعت پر کیفیت پیدا ہو گئی لیکن ختم ہو چلی
کبھی امیر خسروؒ کے ساتھ مل کر چند آدمی پڑھتے۔ قاضی ضیاء الدین صاحبؒ جو اس زمانے میں دلی
کے مفتی اعظم تھے ان کو جب اس کا علم ہوا تو اس پر شدت سے نکیر کی۔ حضرت سلطان جیؒ نے
فرمایا میں معذور ہوں سماع بعض امراض کا علاج ہے۔ جب قاضی صاحبؒ کی مخالفت
بڑھی تو سلطان جیؒ نے فرمایا کہ اگر حضورؐ سے اجازت دلوا دوں کہ میں معذور ہوں تب تو مانیے
گا۔ قاضی جیؒ نے کہا، پھر نہیں کیا ضرورت؟ چنانچہ خواب میں حضورؐ نے آکر فرمایا کہ یہ معذور
ہیں۔ قاضی صاحبؒ نے خواب ہی میں عرض کیا کہ حضورؐ ظاہر شریعت پر عمل کروں یا خواب
پر۔ صبح ہوئی تو سلطان جیؒ نے پوچھا کہ اب تو پیچھا چھوڑ دو گے۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا
کہ حضورؐ کی طرف سے جواب نہیں ملا۔ اس سکوت کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر شریعت پر عمل کرنا چاہیے۔
جب قاضی صاحبؒ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے، تو سلطان جیؒ عیادت کے لئے تشریف
لائے۔ قاضی صاحبؒ کے مکان پر آکر دستک دی، خادم دروازہ پر آیا اور دریافت کیا کہ
کون؟ سلطان جیؒ نے نام بتلایا، خادم نے جا کر خبر دی تو قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ آخر عمر میں
کسی بدعتی کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ یہ اخلاص کی بات تھی۔ سلطان جیؒ نے کہا کہ ایسا گستاخ
بھی نہیں، بدعتی اپنے بدعت سے توبہ کرکے آیا ہے۔ یہ خبر جب قاضی صاحبؒ کو ملی تو انہوں
نے اپنا عمامہ بھیجا کہ اس پر قدم مبارک رکھ کر آئیں۔ سلطان جیؒ عمامہ سر پر رکھے ہوئے قاضی صاحبؒ
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قاضی صاحبؒ نے شیخ المشائخ سلطان جیؒ کے سامنے مندرجہ ذیل
شعر پڑھا۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(افادات حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہم)

تفصیل شیخ (۲) مسمع مرد تمام باشد زن و کودک نباشد (۳) مسموع ہزل و فحش نباشد (۴) آلۂ سماع
مثل چنگ و رباب درمیان نباشد (الفاروق صفحہ ۱۶۰)

بے تحقیق حکم لگانا ناجائز ہے ارشاد فرمایا کہ بے تحقیق کسی پر حکم لگانا اگر تمہیں کسی کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ سارق ہے تو اس کو اپنے گھر میں نہ جانے دو مگر بلا تحقیق حکم نہ لگاؤ اور نہ اسے سارق کہو، اس کا خاص دھیان رکھنے کی ضرورت ہے۔

فضائل درود کی ایک حکایت پر ایک اہم تنبیہ "فضائل درود" ہر سال حضرت کی مجلس میں ایک مرتبہ پڑھی جاتی ہے البتہ امسال اس میں کچھ تغیر ہوئے۔ درود شریف ہر شب جمعہ میں پڑھے جاتے تھے اور کبھی اس کے ساتھ ملا جامیؒ و حضرت نانوتویؒ کی نعت بھی پڑھی گئی، آج عشاء کے بعد کی مجلس میں "فضائل درود" کی ایک حکایت پڑھی گئی، اس میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے پر مغفرت کا ذکر آیا تھا، حضرت نے ارشاد فرمایا اس قسم کی باتیں وقتی ہوا کرتی ہیں، مالک کو جس ادا پر پیار آ جائے بخش سکتا ہے، بعض دفعہ منہ سے کوئی جملہ ایسے خلوص سے نکل جاتا ہے جو اللہ کو پسند آ جاتا ہے اس پر معاملہ فرما دیتا ہے، اسی طرح سے اس حکایت میں بلند آواز بھی تھی جو اللہ جل شانہ کو پسند آ گئی اور اس کی مغفرت ہو گئی، اس کو طریقہ عادت نہ بنانا چاہئے، ویسے درود شریف جتنا وقت میسر ہو خوب پڑھتے رہیں۔

فضائل درود میں ملا جامیؒ کی نعت پڑھی جاتی تھی، اس میں "[illegible]" آیا ہے۔ محترم مولانا سید حسین صاحب مدظلہ نے اس میں ترمیم فرمائی "[illegible]"۔ دو سال سے عشاء کے بعد کی مجلس میں درود تحیات روزانہ سننے کا معمول ہو گیا ہے۔

بائیسویں مجلس

۲۲ رمضان المبارک

ذاکرین و مجاہدین کیلئے اکمال الشیم و ارشاد کا مطالعہ ضروری ہے

ارشاد فرمایا: "ارشاد الملوک" "امداد السلوک" یہ دونوں کتابیں ذکر کرنے والوں کے لئے بالخصوص جن کو میں نے بیعت کی اجازت دی ہے بہت غور سے پڑھنا چاہیئے۔ میں نے "اکمال" کے شروع میں لکھ بھی دیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ بھی اپنے خاص لوگوں کو امداد السلوک کے مطالعہ کی تاکید کرتے تھے۔ اس ناکارہ کے نزدیک بھی ان دونوں رسالوں کا مطالعہ ذاکرین کے لئے بہت مفید ہے۔ حضرت مدنیؒ "امداد السلوک" اور "اکمال الشیم" کو سفر میں اپنے بکس میں رکھتے تھے جو باتیں تم مشائخ سے اور بڑے سے سننا چاہتے ہو وہ ان دونوں میں آگئی ہیں اس لئے اپنے سے بیعت کا تعلق رکھنے والے احباب کو تاکید کرتا ہوں کہ اس ناکارہ کے فضائل کے رسالوں کو اہتمام سے مطالعہ میں رکھیں اور ذاکرین کو "ارشاد الملوک" "اکمال الشیم" کو خاص طور سے مطالعہ میں رکھنا چاہیئے اور جن احباب کو اس ناکارہ نے بیعت کی اجازت دی ہے ان کے لئے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی "تربیت السالک" اور حضرت گنگوہیؒ کے مکاتیب جو "مکاتیب رشیدیہ" کے نام سے مطبوع ہیں مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔

یہاں بامقصد آنے سے خوشی ہوتی ہے

ارشاد فرمایا یونس سلیم صاحب جو اس وقت نائب وزیر ریلوے تھے انکے یہاں آنے سے خوشی ہوئی اس وجہ سے نہیں کہ وزیر ہیں بلکہ وہ اپنے ماحول کو چھوڑ کر کچھ کرنے کے لئے یہاں آئے تھے ایک تجربہ کی بات ہے کہ اپنے ماحول میں آدمی سے کام نہیں ہوتا یہاں رمضان میں کچھ کرنے کے لئے اگر کوئی آنے تو مجھے خوشی ہوتی ہے کیونکہ اپنے گھر میں کام نہیں ہوتا، اعتکاف بھی دشوار ہے، ضروریات لگی ہوئی ہیں کئی دن ہوئے بھائی یونس سلیم صاحب کا پیام آیا تھا کہ وہ ملاقات کے لئے آنا چاہتے ہیں، جو وقت ملے گا اس میں ملاقات کریں گے میں نے کہا کہ دستور کے مطابق ۱۰ منٹ کے لئے آئیں گے مگر معلوم ہوا کہ اذان ظہر سے آدھ گھنٹہ پہلے آگئے ظہر کی سنتوں سے فراغت کے بعد میں نے ملاقات کے لئے انہیں بلایا میں نے کہا کچھ کچھ کی بھلائی ہے آج اور ٹھہر جائیں آپ چاہیں تو ظہر سے عصر تک ذاکرین کے مجمع میں بیٹھ کر اللہ اللہ کریں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

بوریا نشینی کو ترجیح

ارشاد فرمایا کہ دہلی میں ایک مرزا شیدا جاوید تھے جو اکابر سے ان کے تعلقات تھے، انہوں نے میرے دادا سے درخواست کی تھی کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح آپ کے صاحبزادے مولوی یحییٰ سے کرنا چاہتا ہوں، میرے دادا صاحب نے کہا کہ ہم فقیر ہیں، آپ کو آپ سے کیا تعلق؟ انہوں نے کہا کہ مولوی یحییٰ کی پرورش میرے خرچ سے ہوگی: مرزا صاحب کی صاحبزادی قیصر جہاں سے بھی والد صاحبؒ واقف تھے، بہت حسین جمیل تھی، جب دادا صاحب سے مرزا صاحب نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ سے پوچھ لیں۔ حالانکہ دادا صاحب جانتے تھے کہ انکار کردیں گے جب والد صاحبؒ سے دریافت کیا تو والد صاحبؒ نے فرمایا کہ ان سے نکاح کے بعد بوریے پر بیٹھنا مشکل ہے چنانچہ نکاح نہیں ہوا، مگر وہ بے چاری میرے بچپن تک میری بہت محسن رہیں۔ چنانچہ بچپن میں جب میں نظام الدین جاتا تو مجھ سے غیر معمولی محبت کا اظہار کرتیں انہوں نے میرے

ابا جان سے کہلوا دیا کہ آپ نے مجھ سے نکاح تو نہیں کیا، اب میں مولوی ذکریا سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہتی ہوں اور یہ میری انتہائی آرزو ہے۔ والد صاحب ہنسے اور فرمایا کہ اس سے پوچھ لوں جب مجھ سے دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ میں ان کا بوجھ کہاں کہاں اٹھاتا پھروں گا، یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ میں نے بچپن میں ان کے گھر کا ماحول دیکھا تھا۔ ہمارے خاندان میں تو عورتیں گویا ڈیوٹی ختم ہوا کرتی ہیں۔ والد صاحب میرے اس جواب کو پسند فرمایا اور فرمایا، میرے اور تمہارے جواب میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ تمہارے جواب میں تکبر کی بو آتی ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی ص)

یکسوئی کا رمضان ارشاد فرمایا۔ جب سے یہاں بازار لگنے لگا، مجھے اپنا یکسوئی کا رمضان اور گزشتہ سال مدینہ منورہ کا رمضان بہت یاد آرہا ہے میں نے یہ یکسوئی رائے پور سے لی ہے مجھ سے حضرت رائے پوری ۱۰ ارشعبان کو سارے خدام سے مصافحہ کر لیتے اور بعض مواقع میں فرماتے گویا رہ رہے ہیں کہ رمضان بعد ملاقات ہوگی۔ وہاں مجمع یہاں سے زیادہ ہوتا تھا۔ پنجاب کے لوگ کثرت سے آتے تھے پانچ چھ سو کا مجمع ہوتا تھا۔ حضرت جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو نظم وہ دست نیابت کر لیتے، میرے حضرت کے یہاں مہمان زیادہ نہیں ہوتے تھے، حضرت تھانوی کے یہاں مجمع ہوتا تھا مگر خانقاہ سے کھانے کا نظم صرف خواص کے لئے ہوا کرتا تھا اور لوگ اپنا اپنا نظم خود کرتے تھے خانقاہ کا دستور چھپا ہوا تھا، اس میں ایک اصول یہ تھا کہ دو ذاکرین کو مل کر کھانا کھانے کی اجازت نہیں، کسی کو چائے وغیرہ کی دعوت کرنے کی اجازت نہیں تا آنکہ اجازت نہ مل جائے مگر درخواست پر اجازت مل ہی جاتی تھی، اس لئے کہ مل کر کھانے میں وقت ضائع ہوتا، ہمارے حضرت رائے پوری کے یہاں مہمانوں کیلئے انتظامی کا دستور نہیں تھا اس کا نظم اپنے طور پر لوگ خود کرتے تھے البتہ کھانے کا اجتماعی نظم حضرت کی طرف سے ہوتا تھا، روٹی دال اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ جو پکتا تھا پیٹ سے زیادہ نہیں کھایا جا سکتا تھا۔

کیا تھا۔ اعتکاف کے لئے وہاں سہولت تھی میں نے ان لوگوں سے کہا، مدرسہ قدیم کی مسجد میں جگہ نہیں ہے تم لوگ مہمان خانہ میں رہو یا سہارنپور کے مرکز میں جاکر اعتکاف کرو مگر انہوں نے یہاں اعتکاف کرنے پر اصرار کیا اور یہ طے ہوا کہ باری باری سے اعتکاف کریں گے اس کے بعد ہم نے دارِ جدید کی مسجد کو خاص طور سے اعتکاف کے لئے طے کیا اس کے بعد سے یہاں اعتکاف کا سلسلہ چل رہا ہے (حق تعالیٰ شانہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رکھے)

میرے یہاں آج سے پچیس سال پہلے پہلوان اور مولوی عبداللہ کرسی والے نے رمضان میں اعتکاف شروع کیا تھا۔ اوراس کے علاوہ اور کچھ لوگ آجاتے تھے ۱۵، ۲۰، ۳۰ آدمیوں کا مجمع ہرسال رہتا تھا۔

شیطان کبھی اہم کام سے ہٹا کر غیر اہم کام میں مشغول کر دیتا ہے

ارشاد فرمایا: کبھی کبھی شیطان آدمی کو غیر اہم چیزوں میں مشغول کر دیتا ہے مطالعہ و تعلیم کے زمانے میں کثرت نوافل میں مشغول ہونا کوئی اچھی چیز نہیں، میرے چچا جان کے یہاں نفلوں کا غلبہ تھا اور والد صاحب کے یہاں تعلیم کا غلبہ تھا۔ والد صاحب گنگوہ میں میزان سے مشکوٰۃ تک تنہا مدرس تھے، طلبہ کی تعداد تقریباً اسی تھی، بیسوں سبق خود پڑھاتے تھے اور اوپر کی جماعت کے طلبہ کو نیچے کے اسباق دے رکھے تھے، میرے بچپن کا قصہ ہے کہ اس ناکارہ کو نیکی کا جوش ہوا، مغرب کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے حجرے کے سامنے نفلوں کی نیت باندھ لی، ابا جان نے ایک زور سے تھپڑ مارا، اور فرمایا کہ سبق نہیں یاد کیا جاتا، اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا کہ خود تو پڑھتے ہی نہیں جاتی نفلیں کیوں پڑھنے نہیں دیتے مگر جلد ہی یہ سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی اور وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے لئے تھا۔

تئیسویں مجلس

۲۳ رمضان المبارک

دعا کے درجات ارشاد فرمایا: "ارشاد الملوک" آسان ہے اور مکمل ہے، تم ضرور دیکھنا ہے۔ مکمل میں تم غور کے بعد دعا کا یہ مضمون بھی رہا تھا کہ "اپنے حق تعالیٰ سے دعا و سوال کرنا کچھ عمدہ اور معتبر حال نہیں رہے، شدیدہ حال یہ ہے کہ کچھ کوشش ادب کے بغیر ظاہر ہو جائے۔ اور اس کے بعد یہ بات ہے" "بسا اوقات حسن ادب عارفین کو ترک سوال کی طرف اشتیاق کرتا ہے، اس لئے کہ قسمت ازلی سے مقرر ہو چکا ہے، اور ذکر کی مشغولی سوال کی مہلت نہیں دیتی" الخ۔ ارشاد فرمایا یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے، مگر لوگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں، انہوں نے خود لکھ دیا ہے کہ افضل اعلیٰ حالت یہی ہے کہ مزے میں دعا کرتا رہے۔ جیسے کہ حضورؐ کی شان تھی۔ دعا کے تین درجات ہیں، ایک مبتدی کا مانگنا، مبتدی کے لئے ضروری ہے کہ خوب خوب دعا کرے سب اور مانگا کرے۔ ایک متوسط کا درجہ ہے، ہم نے بچپن میں ایک قصہ سنا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے جب آگ میں ڈالا تو انہوں نے فرمایا: "علمه بحالي حسبي بسؤالي" حق تعالیٰ کا میری حالت کا علم میرے سوال کے لئے کافی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان کے یہی مناسب تھا۔ سب سے اونچا درجہ عاشق کے مانگنے کا ہے، یہ مانگنا شوق کی خوشامد کے لئے ہوتا ہے، اس میں ایک لذت و لطف کی شان ہوتی ہے، یہی حضورؐ کی شان تھی، حضورؐ کا عمل سب سے اونچا ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے زمانے میں قحط پڑ گیا، صلوٰۃ الاستسقاء پڑھی گئی مگر بارش

نہیں ہوئی کسی نے جاکر کہا کہ خلقت مر رہی ہے۔ آپ بارش کے لیے دعا کریں انھوں نے کہا
کہ تدبیری بلاسے۔ ہر شخص کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ ناز کرنے کے لیے گلاب جیسا منہ چاہیے
ہر ایک کے لیے مناسب نہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی بعض دفعہ ایسی باتیں سنتے تھے کہ حضرت
مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے جو باتیں یہ کہتے ہیں اگر ہم کہتے تو گردن زدنی ہو جائے
ہر شخص کا ایک منصب ہوتا ہے ان بزرگ سے بارش کی دعا کے لیے جب لوگوں نے بہت
اصرار کیا تو انھوں نے کہا کہ میری اللہ میاں سے لڑائی ہو رہی ہے۔ پھر خدام سے فرمایا
میری بنگلی دھوپ میں لے جا کر ڈال دو وہ اس کو سوکھنے نہیں دیں گے چنانچہ خدام نے
دھوپ میں ڈال دیا ابر آیا اور خوب بارش ہوئی انھوں نے فرمایا کہ بھائی میں نے کہا تھا کہ سوکھنے
نہیں دیں گے بھائی محبت میں ناز و نخرے سب جائز ہیں اگر ہم کہیں تو مفتی کفر کا فتویٰ دے دیں

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ — کما ان عین السخط تبدی المساویا

میرے دوست! مالک سے انگور اور اس طرح لیتے اگر جیسے حضور کے ملنگ کو خوشامد
میں لذت ہوتی ہے۔

کیمیاگر کا قصہ فرمایا۔ ہم نے ایک قصہ میں دیکھا تھا ایک بادشاہ تھا اس کو کیمیا
کی دھت تھی، ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن کو اس کی دھت تھی وہ راستہ چلتے زمین میں
جڑی بوٹی کی تحقیق و تفتیش کرتے چلتے ہیں ان کے ساتھ راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے جس کو
کیمیا کی دھت ہو جاتی ہے اس کو کھانے پینے اور کسی چیز میں مزہ نہیں آتا۔ بادشاہ نے اپنے
درباریوں سے ایسے آدمی کی تلاش کے لیے کہا جو کیمیا کا فن جانتا ہو ان لوگوں نے ایک سنار
کا پتہ بتایا جس کو دربار میں حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے اس سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ اگر مجھ
کو کیمیا کا فن آتا تو میری یہ خستہ حالت کیوں ہوتی؟ بادشاہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی چنانچہ اس نے اس
کو رخصت کر دیا۔ مگر وزرا نے کہا کہ اس کو یہ فن آتا ہے۔ بادشاہ کو کیمیا کی دھت تو تھی ہی وہ اپنا پیچھا

بدل کر سقے کے گھر گیا اور اس سے ملاقات کی اور کہا کہ میں نے آپ کو ایک مرتبہ فلاں جگہ دیکھا
تھا، مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے اس لئے میں آپ کی خدمت کے لئے آ گیا ہوں اب سقے کے
ساتھ پانی بھرنے کی خدمت انجام دینے لگا شام کو اس نے سقے سے کہا کہ تمہارا پاؤں دبانا چاہتا
ہوں، جب پاؤں دبانا شروع کیا تو بڈھے کو مزہ آ گیا اس نے کہا کہ میں تمہاری مزدوری دو چار
آنے دینا چاہتا ہوں اس نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی غرض نہیں، البتہ اس کے اصرار کے بعد اس کے
یہاں روٹی کھا لیتا تھا، اس طرح بادشاہ مہینہ دو مہینہ خدمت کرتا رہا، بے غرض خدمت کی
بڑی قدر ہوتی ہے خواہ مدرسہ کا کام ہو یا اللہ میاں کا، دو تین مہینے کے بعد سقے نے کہا کہ مجھے
کیمیا کا فن آتا ہے، میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں حدیث
میں بھی آیا ہے "ازہد فیما عند الناس یحبک الناس" جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے بے نیاز
رہو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے، جو کچھ مقدر میں ہے وہی ملے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی
کا کچھ نہ لیا جائے بلکہ دنیا و ما فیہا سے جتنا اپنے دل کو ہٹاؤ گے اتنا ہی دنیا تمہارے پاس
ذلیل ہو کر آئے گی، قرآن و حدیث میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے اور بزرگوں کے ملفوظات
میں بھی ہے، اس بڈھے نے کہا سیکھ لو مگر اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں بہر حال باصرار
سقے نے اس کو کیمیا کا فن سکھا دیا، جب یہ سب سیکھ گیا تو وہاں سے بھاگ آیا اور یہ بڈھا اس کو
گالیاں دینے لگا کہ اس نے میرے ساتھ دغا کی۔ بادشاہ نے دوسرے روز طلب کیا، دو سپاہی بھیج
کر اس سقے کو بلوایا، سقے نے پہچان لیا، بادشاہ نے کہا کہ تم نے مجھے پہلے ہی اس فن کو کیوں نہیں بتایا؟
اس نے کہا حضور! کیمیا کا نسخہ پاؤں دبا کر ہی آتا ہے، یہ سب نبی اکرم صلی اللہ کے واسطے ہو تو بہت ہی
لذیذ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عشق و محبت کا تھا، خواہ دنیا سے ملے یا نہ ملے یہ دعا کی تفصیل ہے

ارشاد فرمایا کہ ان چند دنوں میں اپنے واسطے اور خصوصیت سے امت کے واسطے مانگی
اس میں اپنا منشا بھی یہی ہو جائے گی، ہم نے اپنے آپ کو پہچانا نہیں، شیطان کے چکر میں پھنس
کر اپنے آپ کو ذلیل کیا۔

چوبیسویں مجلس

۲۴ رمضان المبارک

علی گڑھ کے ڈاکٹروں کی آمد آج علی گڑھ سے وہ غیر مسلم ڈاکٹر جنہوں نے حضرت اقدس کی آنکھوں کا علاج کیا تھا اپنے رفقاء کے ساتھ ۱۱ بجے دن میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاجی نصیرالدین صاحب کے ہمراہ نیاز مندانہ حاضر ہوئے دوسرے دن واپس چلے گئے، تراویح کی نماز کا منظر دیکھنے کے لئے بیٹھے رہے۔ حضرت اقدس نے اپنے دست مبارک میں قرآن مجید اٹھا کر انہیں بتایا کہ یہ وہ کتاب ہے جو نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ صرف نماز تراویح میں ایک مہینہ کے اندر تین مرتبہ یہاں ختم کی جاتی ہے۔ اس سے وہ لوگ بہت متاثر ہوئے۔

ارشاد فرمایا۔ آج میں نے اپنے ڈاکٹر کو رمضان المبارک کا منظر دیکھنے کے لئے یہاں بلایا تھا۔ انہوں نے علی گڑھ میں ہماری بہت خاطر کی تھیں۔ ہم ان امیروں کو کیسا بلا کر کیا بدلہ ادا کر سکتے ہیں۔ ایک مینڈک کسی کنوئیں میں رہتا تھا۔ اتفاقاً اس میں ایک سمندر کی مچھلی آگئی اس نے پوچھا کہ تیرا گھر بہت چھوٹا ہے۔ مینڈک نے چھلانگ لگائی اور کہا کہ شاید تیرا گھر اتنا بڑا ہو۔ اس نے کہا کہ وہ تو بہت بڑا ہے۔ اس نے دوبارہ دوسری بارہ چھلانگ لگائی اور ہر بار وہ ایک اور بڑھ کر پوچھا اور کہا کہ شاید تیرا گھر اتنا بڑا ہے۔ مچھلی کہتی کہ وہ تو بہت بڑا ہے ہم امیروں کی کھانے پینے سے خاطر نہیں کر سکتے اس لئے کہ ان کے یہاں عمدہ سے عمدہ کھانا ہوتا ہے۔

میں نے حاجی نصیرالدین کو لکھا کہ تم اپنے ڈاکٹر کو یہیں لے آؤ میں انہیں ایک ایسی چیز کی سیر

کرادوں گا جو انہیں کہیں اور کوئی مسلمان نہیں دکھائے گا۔ گھر آ کر بھائی یونس حلیم صاحب کی طرح ہو چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے یہاں کا منظر دیکھا، ذکر کا حلقہ دیکھا، بابا فرید شکر گنج کا منظر دیکھا اس کے بعد یہاں سے ذکر کر کے واپس گئے۔

فرمایا: علی گڑھ میں ایک نوجوان ڈاکٹر تھا اس سے ہماری دوستی ہوگئی تھی وہ روزانہ میرا بلڈ پریشر دیکھا کرتا تھا اور دیر تک حکمت اور باتیں کرتا۔ اس نے بھی سہارنپور کے لئے کہا تھا مگر کسی وجہ سے نہیں آ سکا۔ بھائی میرے علی گڑھ، مراد آباد، دہلی کا ممنون ہوں، ڈاکٹر نے بتایا کہ آپ کے لئے سب سے بہتر کٹڑے کا گوشت ہے، اس کے بعد مرغ کا، حاجی عظیم اللہ اور نصیر وغیرہ نے مرغ کے بہت ہدیے کئے۔ ہم تمہاری خاطریں کھانے سے نہیں کر سکتے، ہماری خاطر یہ ہے کہ یہاں قیام کا ایک دن اور بڑھاؤ، کام اپنے ماحول سے نکلنے کے بعد ہوتا ہے۔

ایک تنبیہ ارشاد فرمایا دارالعلوم و مظاہر علوم کے طلبہ کو معلوم ہوگا اردو کورس میں پڑھتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا اس نے بلیاں پال رکھی تھیں اور ان کو خوب سدھا رکھا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے بزم مشاعرہ قائم کیا تو ان بلیوں کو شمعیں دے دیں جب کوئی شاعر کھڑا ہوتا تو یہ نہایت مؤدب شمعیں لے کر کھڑی رہتیں۔ ایک صاحب کو شرارت سوجھی انہوں نے لا کر دو چوہے چھوڑ دئیے چنانچہ وہ ساری بلیاں دوڑ پڑیں اور ان کا مجمع منتشر ہوگیا، یہی حال ہمارا ہے جب نفس و شیطان کی کشمکش کا معاملہ پیش آتا ہے تو ساری بزرگی ختم ہو جاتی ہے۔

کام انہماک سے ہوتا ہے ارشاد فرمایا: جذب القلوب کا جب میں پروف دیکھنے تھانہ بھون جایا کرتا تھا تو وہاں ظہر سے عصر تک حضرت اقدس تھانوی کی مجلس ہوتی تھی اور صبح سے آٹھ بجے تک ڈاک لکھوایا کرتے تھے، ۹ بجے دن میں تخلیہ کا وقت تھا وہاں ایک سہ دری تھی، تخلیہ چاہنے والے اس میں پرچہ ڈال دیتے تھے اور سہ دری میں بیٹھ جاتے تھے، ترتیب سے انہیں بلایا جاتا تھا اور تخلیہ ہوتا۔ ان اوقات میں کسی کو سہ دری میں جانے کی اجازت نہیں تھی جانے پر ڈانٹ پڑ جاتی تھی۔ ایک دن موقع پا کر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت ظہر سے عصر تک پڑھتے دیکھتا ہوں یہاں

وہ کہ میں بھی حضرتؒ کی مجلس سے غائب رہتا ہوں اس پر حضرت اقدس نے فرمایا تم تو یہاں نہیں رہتے
مگر میں تم کو دیکھتا رہتا ہوں اس وقفہ میں ۲۰، ۲۵ مرتبہ میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں اور تکتا
ہوں کہ کام کس طرح انہماک سے ہوتا ہے۔

فرمایا "بذل" کی کتابت کے زمانے میں ایک دارو غہ صاحب جو میرے حضرت کی اہلیہ کے
عزیز تھے وہ حضرتؒ کے پاس آئے۔ لیکن میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ حضرت کے قریب جا کر بیٹھ گئے میں نے
موقع دیکھ کر حضرات کو منع کرنا شروع کر دیا ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ وہ صاحب اٹھنے کے بعد مجھ پر
بہت ناراض ہوئے باہر جا کر بھائی منظور کاتب خادم بہلول کے قریب کے رشتہ دار تھے کہا کہ بزرگوں
کے پاس بیٹھنے والوں کے اخلاق ایسے خراب ہوا کرتے ہیں بھائی منظور نے میری طرف سے معافی چاہی کہ
یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ بہت مشغول رہتا ہے۔ رفیقوں کے لئے لا تخطبوا آپ بیتی صفحہ ۱۲ ج ۶)

یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم ہے

فرمایا تم لوگ ان شاء اللہ کرتے رہو مگر یہاں سے جانے
کے بعد اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ یہاں سے جانے
کے بعد وہ اثرات نہیں رہتے لیکن اگر یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم رہے تو وہ اثرات
باقی رہیں گے یہاں پر ماحول کا اثر ہے معمولات کی پابندی ترقیات کا زینہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت
شیخ الہندؒ حضرت سہارنپوریؒ حضرت تھانویؒ کے یہاں تشریف لے گئے۔ ملاقات وغیرہ کے
بعد حضرت تھانویؒ نے ان دونوں حضرات سے اجازت لی کہ تھوڑی دیر کے لئے بیان القرآن
لکھنے جا رہا ہوں اس وقت میرا یہی معمول ہے۔ چنانچہ تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد
واپس آگئے کہ طبیعت کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ میرا بھی صبح کا وقت ایسا ہی ہوتا ہے حضرت رائے پوریؒ
حضرت مدنیؒ اور چچا جانؒ کے علاوہ کسی اور کا آنا گوارا نہیں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ تشریف
لائے اور دیر تک ان کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ اچانک سر میں درد ہونے لگا یہ مجلس سے اٹھا
حضرتؒ کا کشف مشہور تھا۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہاں جا رہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ
تھوڑی دیر میں حاضر ہوتا ہوں یہاں میں اٹھ کر اوپر گیا اور چند سطریں لکھیں تو سر کا درد جاتا

وہاں واپس آیا تو پھر دریافت فرمایا کہ کہاں گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ سر میں درد ہو رہا تھا حضرت نے فرمایا ایسا بھی ہوتا ہے اپنا معمول پورا کر لیجئے پھر جب ایسا ہو تو مطلع کر دیجئے۔

حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کو ایک خط تحریر فرمایا کہ کبھی اپنے مشائخ سے غلطی ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ مشغولیت کی بنا پر ایسا ہو جاتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایک آدمی میں تین اشخاص

ارشاد فرمایا۔ یہ قصے سنانے کے نہیں ہیں لیکن اپنے قصے سنانے میں یہی خیال ہے کہ شاید اللہ کسی بندے کو نفع پہنچ جائے۔ صبح کا کام اب ہوتا نہیں۔ مگر اس وقت اب بھی اگر کوئی آتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ چائے کھلاؤں۔

مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے ایک وکیل صاحب دوست تھے جو میرٹھ کے رہنے والے تھے وہ ایک مرتبہ کاندھلہ گئے واپسی پر مولانا احتشام نے کہا کہ سہارنپور حضرت شیخ الحدیث صاحب سے بھی ملاقات کرتے جایئے گا چنانچہ وہ یہاں صبح کے وقت میں آئے۔ ملاقات و مصافحہ کے بعد میں نے پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو انہوں نے کہا کہ کاندھلہ سے۔ میں نے کہا کہ اس وقت تو میں بات نہیں کر سکتا دوپہر میں ملاقات ہوگی۔ بڑے حضرت رائے پوریؒ کے ایک خلیفہ منشی رحمت علی صاحب تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مولوی کا دماغ اس وقت خوب چلتا ہے جب دسترخوان پر کوئی اور ہو اور احتشام تو مولوی کا۔ میرا بھی یہی حال ہے دوپہر کے دسترخوان پر میری طبیعت خوب چلتی ہے دوپہر کے کھانے میں میں نے وکیل صاحب کو بلایا۔ وہ آئے میں نے ان سے کہا کہ تم وکیل ہو بتاؤ اگر تم مثلیں دیکھنے میں مشغول ہو اور کوئی تم سے آکر بات کرنا چاہے تو تم پسند کروگے بہرحال دسترخوان پر ان سے خوب بے تکلفی رہی کھانے کے بعد میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب جمعہ کے بعد ملاقات ہوگی عصر بعد کا منظر بھی انہوں نے دیکھا وہ دوسرے دن واپس میرٹھ گئے وہاں سے اسی دن انہوں نے مولوی احتشام کو خط لکھا کہ آپ نے مجھے ایک ایسے آدمی کی زیارت کرائی کہ اس ایک آدمی میں مجھے تین آدمی نظر آئے۔ جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو مجھے بڑا غصہ آیا کہ کس آدمی کے پاس مجھے بھیج دیا مولویوں کے یہاں اخلاق نہیں ہوتے۔ اور دوپہر کا

وعدہ نہ کیا ہوتا تو اسی وقت وہاں سے چلا آتا۔ مگر دوپہر کو میں نے محسوس کیا کہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے جس سے ہمیشہ کا یارانہ رہا ہے۔ عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ دو تین باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک تیسرا آدمی ہے جو شیخ وقت معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ایک کوٹھی میں تین آدمی دکھا دیئے۔

اوقات کا تعین ارشاد فرمایا: اپنے کاموں کے لئے اوقات مقرر کر کے اس کے پیچھے چھوٹے بڑے کسی کی پرواہ نہ ہونی چاہیئے۔ بعض لوگ فراق کا عذر کرتے ہیں کہ اگر کوئی آ جائے تو ملاقات ہونا چاہیئے۔ میں ان کے جواب میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت قضائے حاجت کی ضرورت پیش آ جائے تو کیا اس کا عذر نہ کر سکتے؟

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا   تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

یہ کا عہد کر لو کہ معمولات کو کبھی نہیں چھوڑیں گے یہ ترقی کا زینہ ہے۔ ہمارے اکابر کا یہی معمول تھا۔ حضرت گنگوہیؒ سے دیکھنا شروع کیا تھا کہ حضرت کا وقت پر کیا بعد ہو جایا کرتا تھا۔

پیر من خس است اعتقاد من بس است

پچیسویں مجلس

۲۵ رمضان المبارک

آج کی مجلس میں اپنی مدت کے ابتدائی دور اور مسجد معلقہ کے سبق کا مرکز الآثار تحقیق اور علی گڑھ کی ملازمت کی تجویز اور تقسیم جائداد میں جھنجھانہ کے سفر کے واقعات سنائے مگر "آپ بیتی" میں یہ سارے واقعات زیادہ تفصیل سے آ چکے ہیں اس لئے یہاں پر حذف کرتا ہوں، اور ناظرین اس کے لئے "آپ بیتی" کا مطالعہ کریں۔

اپنی جھنجھانہ کی جائداد سے بے تعلقی کا اظہار

یہ واقعہ "آپ بیتی" میں نہیں آسکا ہے اس لئے اس کو نقل کرتا ہوں۔

ارشاد فرمایا: ہماری ایک بڑی جائداد جھنجھانہ میں تھی، وہاں سے کچھ لوگ یہاں آئے تھے انہوں نے بتایا کہ آپ کی ہمارے یہاں ایک بڑی جائداد ہے جس پر دوسرے لوگوں کا قبضہ ہے اس کی ملکیت تقریباً ایک لاکھ ہوگی ہم لوگ آپ کو تیس ہزار روپے نقد دینا چاہتے ہیں۔ اس پر قبضہ کرنا ہمارا کام ہے آپ ماسٹر محمود صاحب کے والد وغیرہ سے ہمارے حالات کی تحقیق کر لیں۔ صرف ایک مرتبہ بیع نامہ پر دستخط کے لئے عدالت جانا ہوگا۔ مگر میں نے انکار کیا کہ میرے بس کا نہیں، عدالتوں کے قصے طویل ہوتے ہیں، مجھے اس جھگڑے میں پڑنے کی فرصت نہیں وہ لوگ اصرار کر کے واپس چلے گئے۔

۲۲ رمضان المبارک

> آج شام کو کھانے کے وقت ایک بہت بڑا مجمع بغیر اطلاع کے آگیا تھا جس کی بنا پر اکثر قدیم حضرات اور خدام کھانے سے رہ گئے۔ اس کا بعد میں نظم کیا گیا۔ حضرت اقدس کو جب معلوم ہوا تو قلق کا اظہار فرمایا:

لالچ بقدر ضرورت و برمحل اچھی چیز ہے ورنہ بری

ارشاد فرمایا: میں نے ایک قصہ اپنے والد صاحب سے سنا تھا۔ ایک صاحب بڑے عالم و بزرگ تھے انہوں نے اللہ جل شانہ سے درخواست کی، اے میرے مالک! اگر تو ایک لالچ کو اٹھالے تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں، اسی کے سبب آدمی مارا مارا پھرتا ہے۔ مختلف شہروں میں تجارتیں کرتا ہے اور اس کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم خدائی میں کیوں دخل دینے والے ہو؟ انہوں نے عرض کیا بیشک آپ مالک ہیں مگر ایک لالچ ختم ہو جانے سے سارے جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میں تم سے تین دن کے لئے اٹھا لیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، بلکہ پوری دنیا سے اٹھا لیا جائے۔ مجھے تو آپ نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم سے تین دن کے لئے اٹھا لینا چاہتا ہوں۔ وہ بزرگ استاذ تھے سبق پڑھاتے تھے۔ گھر سے آدمی آیا کہ آج سقا پانی بھرنے نہیں آیا

انھوں نے ایک طالب علم کو سقا کے گھر بھیجا مگر وہ کسی طرح تیار نہیں ہوا اس کے بعد وہ دوسرے سقوں کی خوشامد کرتا رہا مگر کوئی تیار نہ ہوا اتنے میں گھر سے آدمی آیا کہ آج صبح کوئی بھی نہیں آئی اتنے میں ایک آدمی اور گھر سے آیا کہ بازار میں کوئی دکاندار سامان دینے کے لئے تیار نہیں اب بہت پریشان ہوئے اور دعا کی، اے میرے مالک! ایک دن میں میں تو بھول گیا۔ تین دن تک بہت مشکل ہے۔ کیونکہ کسی کو ان سے لالچ و احتیاج نہیں رہی!

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ نے جو جو چیز پیدا کی ہیں وہ حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، اس لئے اکمال الشیم میں لالچ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ لالچ نہ ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت ہو اور برمحل ہو اسی طرح غصہ بری چیز ہے مگر اپنے محل پر جائز ہے۔

اضافہ:- امام رازی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ محققین نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام "ازالہ" کے لئے نہیں آئے، بلکہ "امالہ" کیلئے تشریف لائے ہیں، قرآن مجید نے "والکاظمین الغیظ" فرمایا اور غصے کو پی جانے والے ہیں، امام غزالی فرماتے ہیں: "والفاقدین الغیظ" نہیں کہا گیا کہ ان میں غصہ نہیں ہوتا بلکہ مومنین کی شان یہ بتائی گئی کہ غصہ کی موجودگی کے باوجود وہ اس کو ضبط کرتے ہیں اور محل پر اس کا اظہار کرتے ہیں۔

جذبات تھی خود عقیدت آگ ان کی — شریعت کے شکنجے میں تھی باگ ان کی
جہاں کردیا گرم گرمائے وہ — جہاں کردیا نرم نرمائے وہ

موسمی پھل اپنے موسم میں نقصان دہ نہیں

فرمایا۔ حافظ ابن القیم نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ "جو چیز جس موسم میں پیدا ہوتی ہے وہ اس میں نقصان دہ نہیں ہوتی" میری سمجھ میں یہ آتا ہے کسی موسمی چیز پر تنقید کرنا گویا تخلیق پر تنقید کرنا ہے، ہر کام میں حکمت ہے بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح ہو، البتہ غلط، استعمال سے وہ غلط شمار کی جائے گی۔

موت کا مراقبہ میرے دوستو! دنیا کی زندگی ختم ہونے والی ہے، ہر چیز میں اختلاف ہے مگر مرنے میں کوئی اختلاف نہیں اس پر سب کا ایمان ہے مگر جو زندگی دائمی ہے اس کے لئے کام کرنے کی ہمیں فرصت نہیں، روٹی کے لئے وقت نکل آتا ہے مگر ذکر کے لئے وقت نہیں نکلتا، ہندوستان و پاکستان کی تقسیم نے ہمیں سمجھا دیا کہ کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں، اس کے سلسلے میں مشائخ نے لکھا ہے کہ اس میں پورا نقشہ موت کا ہے کپڑے سے آ کر ایک لنگی و چادر یعنی کفن بچتی ہے جاتی کو کوئی اسٹیشن تک پہنچانے جاتا ہے کوئی بمبئی تک پہنچا کر واپس چلا آتا ہے، روپے پیسے جائیداد سب ساتھ چھوڑ دیں گی۔

ارشاد استاد یار گھنٹہ کی آواز سے ایک صدا آتی ہے۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

ہمیں ہر وقت سوچتے رہنا چاہیئے کہ عمر ختم ہوتی جا رہی ہے ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ مرتے وقت ہمیں اس کا محاسبہ کر لینا چاہیئے کہ کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ساتھ جانے والی ہیں اور کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کو یہاں چھوڑ کر جانا ہے، موت کو خوب یاد کرو، حدیث میں بھی آیا ہے اکثروا ذکر ھاذم اللذات "ایک جنازہ جا رہا تھا، ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کس کا جنازہ ہے، انہوں نے فرمایا "تیرا" اس کو تعجب ہوا تو فرمایا میرا نہیں تو تیرا ہی ہے، یعنی موت سب کی چیز ہے عبرت کے لئے ہیں، ہم پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں دوسروں کو دیکھ کر تعجب کرتے ہیں، حدیث کی کتابوں میں کتاب الرقاق، کتاب الزہد، پڑھتے وقت دھیان نہیں کرتے کبھی بحث تو خوب ہوتی ہے مگر ان کو یونہی اڑا دیتے ہیں، سوتے وقت آدمی کو تھوڑا سا موت کا مراقبہ بھی کر لینا چاہیئے۔

ستائیسویں مجلس

۲۷ رمضان المبارک

اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

ارشاد فرمایا، ایک صاحب تقسیم سے پہلے پٹیالہ میں ملازم تھے اور ہمارے حضرت رائپوریؒ سے بیعت تھے انھیں تبلیغ سے بھی جوڑ تھا، ایک مرتبہ ایک شب کے لئے وہ میرے یہاں مہمان ہوئے انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی "فضائل صدقات" دیکھ کر میں نے ملازمت چھوڑ دی۔ میں نے ان سے کہا کہ اس میں تو کہیں یہ نہیں لکھا جب کہ ہمارے اکابر ملازمت تو چھوڑواتے نہیں۔

حضرت تھانویؒ کا بھتیجہ میں ملازم تھے، ان کا خط حضرت گنگوہیؒ کے نام آیا کہ میں ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں تو حضرت نے منع فرمایا، دوبارہ اس سلسلہ میں پھر خط آیا تو اس مرتبہ بھی حضرت نے منع فرمایا۔ میرے والد صاحب نے عرض کیا کہ جب وہ چھوڑنا چاہتے ہیں تو کیوں منع فرماتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ تم اپنی طرف سے لکھ دو میری طرف سے منع ہی کی ہے، تیسری مرتبہ خط آیا کہ میں نے ملازمت چھوڑ دی اور مستعفی ہوں، آپؐ بھول، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور بڑی دعائیں دیں۔

ہمارے اکابر کبھی یہ رائے نہیں دیتے کہ مسلمان بالقصد اپنے نفس کو توکل کے امتحان میں ڈالے، ہاں جن اصحاب کی طبائع قوی پاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ مشتاق ہو تو بھوک پر بھی صبر کر سکتا ہے اس کو اشارتاً ایسا فرمایا کرتے ہیں کہ اسباب معیشت سے مستغنی ہو کر متوکل

نے ایک تاجر کو دیکھا کہ اس نے ہزاروں کا کپڑا فروخت کیا جب میں اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا اپنی اس مشغولیت میں بھی ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے غافل نہیں تھا۔

ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ میرے حضرت نے مثل لکھوائی تھی میرا ذہن کبھی ادھر نہیں گیا۔ فرمایا من بات و ترشتل دوبار عمر و غیرہ - میں بڑی پانی ہو گئے۔

فرمایا۔ تقسیم سے پہلے یہاں سہارنپور میں رات میں کثرت سے بعض لوگ آتے تھے اور عجیب عجیب صدائیں لگاتے تھے میں اس زمانہ میں رمضان میں سویا نہیں کرتا تھا اب تو معلوم بھی نہیں معلوم نہیں وہ کہاں گئے ان کی صداؤں میں بھی بڑی عبرت و نصیحت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

ذکر اگر آداب سے کیا جائے تو رذائل دور ہو جائیں گے

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ذکر بالجہر افضل ہے یا ذکر بالسر؟ جواب میں ارشاد فرمایا میرے نزدیک وہی افضل ہے جس میں کام ہو جائے، میری بات یاد رکھو اللہ سے جو جڑ لگاؤ اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں۔

شعر: از درون شو آشنا و از بیرون بیگانہ شو

جانے اکابر کے یہاں تو یہی ہے کہ ذکر اگر پورے آداب سے کیا جائے تو سارے رذائل خود بخود نکل جائیں گے، پہلے زمانے میں ایک مدت دراز تک رذائل کو زائل کرنے میں وقت صرف ہوتا تھا اس کے بعد ذکر بتایا جاتا تھا۔ مگر حضرت حاجی صاحب اور بعد کے اکابر نے دیکھا کہ اتنی طویل مدت کا صرف کرنا موجودہ دور میں مشکل ہے اس لئے پہلے ذکر ہی تجویز کرتے تھے، بشرطیکہ ذکر، ذکر ہو۔ ذکر کے مختلف درجات ہیں اسی اعتبار سے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

آج تراویح کے بعد حضرت مسلسل بالتمر والماء کو پڑھ کر لوگوں کو اجازت مرحمت فرمائی اور مجمع میں چھوارے تقسیم کئے گئے۔

اٹھائیسویں مجلس

۲۸ رمضان المبارک

سہارنپور کی دینداری ارشاد فرمایا: میری نوجوانی میں ایک سیاح کلکتہ سے پہلے تقریباً ساٹھ سال ہوئے ہوں گے ان کا سہارنپور میں آنا ہوا انھوں نے اتر کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے نام بتایا تو انھوں نے کہا کہ یہ نام تو میں نے نہیں سنا تھا مگر اسٹیشن پر چاروں طرف داڑھیاں ہی داڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ مقدس ہے لوگوں نے بتایا اس کے چاروں طرف اللہ کی خانقاہیں ہیں۔ گنگوہ، تھانہ بھون، دیوبند وغیرہ اس نے یہاں سے جا کر اس نے ایک مضمون لکھا تھا کہ میں نے ہندوستان میں بھی ایک مکہ دیکھا ہے۔ میرے بچپن میں یہاں غیر مسلموں کو بھی رمضان المبارک میں راستے میں کھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ کچہری میں کھلم کھلا پان بیڑی وغیرہ پردے میں کیا کرتے تھے اس قدر رمضان کا احترام تھا۔ مولوی منفعت علی صاحب وکیل تھے اور میرے ابا جان کے شاگرد تھے انگریزی محمود صاحب سے پڑھی تھی۔ ان سے بہت اچھے تعلقات تھے انھوں نے مجھے ایک دفعہ خط لکھا کہ آپ کا تصور سہارنپور میں ہمارے باغیوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے حضرت مدنیؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ سب یہیں ٹھہرتے تھے وہ زمانہ انگریزوں سے حکومت مخالفت کا چل رہا تھا، انھوں نے اپنے خط میں سیاست کے بارے میں میری رائے معلوم کی تھی، میں نے ان کو جواب دیا کہ سیاست تو میں جانتا نہیں مگر اتنی بات ضرور ہے کہ جس شہر کو لوگ مکہ کہتے تھے، وہاں طاقت کے زور سے دین مٹایا جا رہا ہے اور جہاں اپنی حکومت ہے وہاں اپنے ہاتھوں سے مٹایا جا رہا ہے۔ ایک

صاحب بانس سے پیدل حج کے لئے روانہ ہوئے تھے اور یہ طے کیا کہ ہر چند قدم پر دو رکعت نماز پڑھوں گا اس طرح کراچی تک پہنچا ہوں تو معلوم ہے اس کے بعد کی خبر نہیں وہ جہاں قیام کرتے وہاں ان کے اعزا ملاقات کے لئے آتے۔ پہنچے وہ بہاولپور آکر ٹھہرے تو ان کے ایک عزیز بیرسٹر تھے وہ انگلستان سے ملاقات کے لئے آئے انہوں نے صاحبزادے کو کسی حجام سے داڑھی مونڈنے کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ آج تک تو میں نے کسی کی داڑھی نہیں مونڈی۔

فرمایا۔ یورپ کے کئی عالم بیعت تھے جنہوں نے داڑھیاں بڑھا کر چھوڑ دیا۔ وہیں انگریز بن کے ہو جائے تو سب آسان ہے۔ یہ سکھ بھی داڑھیاں چھوڑتے ہیں اور اسلام میں تو یہ شعار ہی داخل ہے۔ سکھوں کے بارے میں سنتے تو یہ نہیں سنا کہ ان کے کسی افسر نے داڑھی منڈی ہو۔

حضرت گنگوہی کا نماز عید کے لئے تشریف لے جانا

ارشاد فرمایا۔ میں نے حضرت گنگوہی کے پیچھے بھی عید کی نماز پڑھی ہے۔ حضرت عید گاہ پالکی پر تشریف لے جاتے۔ حضرت شیخ الہند بھی پالکی اٹھانے والوں میں شامل ہوتے۔ حضرت مجھے بھی اپنی پالکی پر بٹھا کر لے جاتے تھے۔ حضرت کا سفید عمامہ اور چہرہ مبارک ہی عجیب معلوم ہوتا۔ بعضوں پر لباس سجتا ہے اور بعض پر نہیں۔ مشائخ پر خوب سجتا تھا۔ حضرت تھانوی کو دیکھا۔ بڑے حضرت رائپوری کو اور حضرت مجھو کے رائپوری ثانی کو دیکھا۔ جمال اندر کی چیز ہے جو صباحت سے چمکتا ہے۔ صاحبزادے کے ملنے سے جمال ظاہر ہو کے نکلتا۔ حضرت مدنی کے ساتھ تو قریب سے جمعہ کی نماز پڑھی ہے جب وہ خطبہ کے لئے منبر پر تشریف لے جاتے تو بہت بھلا معلوم ہوتا۔ متنبی کا شعر ہے۔

حسن الحضارة مجلوب بتطرية — وفی البداوة حسن غیر مجلوب

شہر کا حسن بناوٹ کا اور دیہاتی حسن قدرتی ہوتا ہے۔ الحمدللہ بچپن سے ہم نے بزرگوں کو اور ان کے آپس کے تعلقات کو خوب دیکھا۔

حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی کی سہارنپور تشریف آوری

ارشاد فرمایا۔ مولانا عمران خان صاحب کو بھوپال سے مفصل خط

آیا کہ حضرت صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنی ضرورت سے سہارنپور آنا چاہتے ہیں۔ حضرت کے دونوں
عزیز قیام آتا ہے بھی ہیں اور معتقد بھی ہیں لیکن حضرت اپنی بعض مصالح کی بنا پر یہاں قیام
کا ارادہ نہیں رکھتے اور مدرسے ہی میں قیام چاہتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ کھانے کا انتظام حضرت خود
فرمائیں گے۔ آدمی اپنا ہوگا۔ اپنی مرضی سے جو چاہے جب چاہے کھائیں گے۔ انہوں نے لکھا کہ "میں
آپ کی جانب سے نیابتاً وکالتاً پیشکش کر چکا ہوں مگر حضرت نے بغیر اس شرط کے قیام منظور نہیں
فرمایا۔ اگر آپ کو یہ شرط منظور نہ ہو تو قیام کا کہیں اور انتظام کیا جائے۔" میں نے اس کے جواب
میں لکھا کہ سر آنکھوں پر، ضرور تشریف لائیں، لیکن میری طرف سے درخواست ہے کہ اس شرط پر نظر ثانی
کی گنجائش ہو تو ضرور فرمالیں۔ ان کا جواب آیا کہ اس پر نظر ثانی کی بالکل گنجائش نہیں۔ میں نے
لکھا ضرور تشریف لائیں اور جو شرطیں حضرت منظور فرمائیں۔ اس زمانے میں مدرسہ کا مہمان خانہ یہ
بڑا کمرہ نہیں تھا بلکہ اس کے بالمقابل کے کتب خانہ کا چھوٹا کمرہ مہمان خانہ تھا جو اب کتب خانہ کا جزو
بن گیا۔ اس میں حضرت اقدس رائپوریؒ کا قیام تھا۔ مولانا عمران خان صاحب کا تذکرہ آیا کہ کل جعفر
صاحب بھی پہنچ رہے ہیں۔ ان کے اس آمد پر مجھے سناٹا سا آگیا اس لئے کہ مہمان خانہ کا وہی ایک کمرہ
اور اس میں حضرت رائپوریؒ کا قیام، حضرتؒ سے یکبار تشریف لے جائیں ایک بہت اہم مہمان
آرہے ہیں بہت مشکل۔ اور حضرت شاہؒ کی آمد پر ان سے یہ عرض کرنا کہ آج تو مہمان خانہ خالی نہیں
مدرسہ کی مسجد ہی میں قیام کریں، کل شام تک خالی ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ دشوار، لیکن میں نے حضرت
رائپوریؒ کے کشف و کرامات کو بار بار دیکھ چکا تھا۔ حضرتؒ نے اگلے دن صبح کو خود کہا کہ اجازت ہو تو
آج دہلی کا خیال ہے علاوہ ازیں دو دن حضرت رائپوریؒ کے قیام کا تھا، تین دن کے ارادے سے تشریف
لائے تھے۔ حضرتؒ کے اس ارشاد پر حیرت کے ساتھ خوشی ہوئی اور میں نے کہا کہ حضرت ضرور تشریف لے
جائیں۔ حضرتؒ نے مجھ سے اور جلنے کی وجہ پوچھی تو میں نے سارا قصہ سنا دیا۔ حضرتؒ نے خوش ہو کر
فرمایا جیسے میری یہ ارشاد فرمایا کہ مجھ سے کیوں تکلف کیا۔ مجھ سے بے تکلف کہہ دینا چاہئے تھا۔
چونکہ دار میں یہاں کسی شخص کی تعیین نہیں تھی اس لئے اسٹیشن پر کوئی نہ جا سکا اور وقت معلوم نہ تھا۔ لیکن

مرچ اور بے مرچ دونوں طرح کا دو آدمیوں کے بقدر تیار کرالیا۔ ظہر تک انتظار رہا جب میں ظہر
کی نماز پڑھ کر وہاں نہیں رہا، اس زمانے میں جلدی سے مسجد سے آتا جاتا تھا تو مولانا یحییٰ صاحب بنگلہ
مسجد کے در میں ملے، ان سے پہلے کی واقفیت تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا قیام بھوپال میں ہے ان
سے مصافحہ پر میں نے حضرت شاہ کے متعلق دریافت کیا انہوں نے کہا کہ تشریف لے آئے مسجد میں ہیں،
میں صف پر پہنچ گیا حضرت شاہ صاحب سے نماز سے فراغت کے بعد اٹھ کر مصافحہ کیا، مصافحہ کے بعد
میں نے عرض کیا کہ کھانا تو نہیں کھایا؟ یہ بات میں پہلے مولانا یحییٰ صاحب سے معلوم کر چکا تھا، حضرت
نے فرمایا کھایا تو نہیں ہے مگر ابھی کچھ رغبت بھی نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ظہر تک اگر رغبت نہیں
ہے تو عصر تک ہو جائے گی، جناب کی خیر کے خلاف تو ذرا اصرار نہیں لیکن ہم طالب علموں کو تکلف تو
آتا نہیں، بے تکلف عرض ہے کہ کھانا پرہیزی و بے پرہیزی یعنی مرچ و بے مرچ کا تیار ہے جو میں
نے احتیاطاً تیار کرالیا تھا۔ حضرت نے کچھ سکوت فرمایا، میں نے مولوی حسینی سے کہا کہ تمہاری
تو کوئی شرط نہیں، تم تو کھانا لاؤ اور حضرت کو رغبت ہوگی تو ایک آدھ لقمہ نوش فرمالیں گے۔ مجھے
اس وقت کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تبسم سے زیادہ ضحک آمیز فقرہ خوب یاد ہے کہ "بہت اچھا۔"
تو معاً میں نے دوسرا فقرہ وہیں بیٹھے بیٹھے کہا کہ حضرت دوسری درخواست یہ ہے کہ میرے ہاں کا
تو اس وقت حدیث پاک کا سبق ہے یہ مولوی شفیق گنگوہی خیر ہم بھوپالی ان سے آپ بھی واقف
ہو گئے اس وقت ان کا قیام بھوپال میں مستقل تھا اور حضرت شاہ صاحب کے معتقد تھے،
یہاں موجود ہیں حضرت تو مہمان خانہ تشریف لے چلیں یہ مولوی شفیق صاحب رہیں گے کھانا کھا کر
حضرت کو سنا دیں گے۔ ماشاء اللہ عصر کے بعد تک گھنٹوں ہی حضرت نے بہت اظہار مسرت فرمایا کہ بہت
اچھا بہت اچھا" فرمایا اور یہ بھی فرمایا "ایسی بے تکلفی بہت اچھی"۔ میں مولوی شفیق کو ساتھ
لے کر ان کے ہمراہ دونوں طرح کے کھانے روانہ کر کے اپنے کام میں لگ گیا، حضرت نے کھانا کھا کر
آرام فرمایا، عصر میں ملاقات ہوئی میں نے تحقیق کی کہ حضرت نے کچھ کھایا؟ تو نہیں معلوم ہوا کہ چونکہ
ظہر کے بعد کھانا ہوتا تھا اس لئے اس وقت رغبت نہیں ہے اس وجہ سے اس وقت کوئی انتظام

نہیں فرمایا۔ عصر کے بعد چائے کی مجلس میں شرکت ہوئی۔ کچھ مسرت و ظرافت کے فقرے کچھ حضرت کے
شفقت آمیز فقرے ہوتے رہے۔ مغرب کے قریب میں نے عرض کیا حضرت میرا معمول سالہا سال
سے صرف ایک وقت کھانے کا ہے۔ شام کو تو ہے نہیں اس لیے صبح کو۔ الحمد للہ آپ کی صحبت
میں کھا لوں گا اور اس وقت مجھے کچھ مشغلہ ہے۔ اب آپ کو بھی اپنے آرام اور وظائف میں مشغول ہونا
ہے اوپر تشریف لے جائیں۔ میں تھوڑا سا کھانا بھائی جی کی نیت سے بھیج دوں گا۔ آپ کو
خواہش ہو تو آپ بھی نوش فرما لیں۔ اس پر تبسم فرمایا اور اوپر تشریف لے گئے۔ میں نے حسب
معمول مولوی شفیق کے ہاتھ کچھ تھوڑا بھیج دیا۔ معلوم نہیں نوش فرمایا یا نہیں نوش فرمایا۔ میں نے
پھر دریافت نہیں کیا۔ صبح کی چائے میں میں نے حضرت کے لئے دو انڈے بھی ابلوائے۔ حضرت نے انڈوں
کے خلاف بڑا زوردار وعظ فرمایا۔ میں نے وہ رکابی اٹھا کر مجھ سے اسے ہٹاتے ہوئے عرض کیا
کہ یہ تعلق شام والے اطباء یونانی ڈاکٹر ہومیوپیتھک والے انجکشن ان کے کھانے کے متعلق
ہیں۔ چائے سے فراغت کے بعد میں نے کہا کہ حدیث کا ارشاد ہے "الضیافۃ ثلٰثۃ" لہٰذا تین
دن تو آپ بمقتضائے حدیث آپ میرے مہمان ہیں۔ اس کے بعد آپ آزاد ہوں گے۔ حضرت
بہت ہنسے اور فرمایا "میں نے پہلے ہی سے یہ رکھا تھا۔ تصدیق ہو گئی" ایک ہفتہ قیام حضرت
کا رہا اور میرے مہمان رہے۔ دوسرے دن سے میرے سبق کے اندر بھی بہت اہتمام سے
تشریف لے جانے لگے۔ یہاں پر حضرت کی طبیعت ایسی لگی کہ جانے کی نیت فرماتے تھے: آپ
کے پاس سے جانے کا جی نہیں چاہتا۔ اسباق میں بھی بہت دعائیں دیتے اور مسرت کا اظہار فرماتے
یہاں سے تشریف بری کے بعد بھی تقریباً بہت سے خطوط آنے کے آتے رہے۔ مگر مقدر کی حاضری نہ
ہو سکی اور حضرت کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی سے ایک ملاقات

ارشاد فرمایا: مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی۔ گو ان کا اسم گرامی
کثرت سے سنتا رہا۔ اور ان کے علمی و تاریخی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے۔ وہ دارالعلوم دیوبند

کے ممبر تھے اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ناظم صاحب مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا میرے پاس آدمی پہونچا کہ مولانا منظور حسین صاحب گیلانی تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا ملاقات کا بالکل جی نہیں چاہتا تھا اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا ہوں لیکن چونکہ پیام یہ تھا کہ وہ مجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے فوراً حاضر ہوا۔ مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ و معانقہ کیا اور فرمایا کہ "تجھ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا، اس لئے کہ میری جسمانی ملاقات اگرچہ کہ نہیں ہوئی مگر روحانی ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ ہمیشہ رہتی ہے۔ جب سے کوکب دری کی طبع ہوئی ہے۔ ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں۔ یہ کتاب تمام شروحوں سے زیادہ مدرسین کے لئے زیادہ مفید ہے۔ ترمذی پڑھنے والوں کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں"۔ مختصر جہاں تک یاد ہے ایک دو گھنٹہ کے بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ظہر سے پہلے وہ تشریف لے گئے اور دوسرے دن واپس دیوبند تشریف لے گئے۔

انتیسویں مجلس

۲۹ / رمضان المبارک

یہاں کے اثرات کو باقی رکھنے کی صورت ارشاد فرمایا: ایک بات خصوصیت سے رمضان میں کہتا ہوں اور بار بار کہتا رہا ہوں اور اہتمام سے کہ بھائی دیکھو جہاں میں نے نسبت کی چار قسمیں بتائی تھیں ان میں ایک نسبت انعکاسی ہے جو بہت جلد غائب ہو جاتی ہے یہاں سے جانے کے بعد دیکھو جیسے کہ کثرت سے خطوط آتے رہتے ہیں اور ان میں قدر مشترک کے طور پر یہ ہوتا ہے کہ حضرت کی خدمت میں رہنے کی جو حالت تھی وہ اب معلوم نہیں ہوتی یہ اسی کا اثر ہے۔ میرے پیارو! میرے معمولات بہت محدود مختصر ہیں، زیادہ نہیں وہ اگر پابندی سے کرتے رہوگے تو ان کا ثمرہ وہاں بھی معلوم ہوگا میں بار بار کہتا رہا ہوں کہ بے ضرورت بات چیت کم کر دو تو اچھا ہے۔ ارشاد فرمایا: ایسی حالت مجھے معلوم ہے۔ بھائی انعقل والے یہ کہہ گئے تھے، معلوم ہوا کہ وہاں حافظ عبدالعزیز صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی کیونکہ وہ رمضان میں بتاتی مشغول رہتے ہیں اس سے خوشی ہوئی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ رمضان پورا یکسوئی سے گزار دو اگر پورے مہینے کا اعتکاف کرنا چاہو تو میں نے اجازت دے رکھی ہے ایک صاحب نے اس پر اعتراض کیا کہ پورے مہینے کا اعتکاف کہاں سے ثابت ہے؟ میں نے جواب دیا کہ بخاری کی حدیث ہے حضور ﷺ دس دس دن کے اعتکاف کی نیت شب قدر کے تلاش میں کیا کرتے تھے حضور ﷺ کی اتباع کرو کہ دس دس دن کی نیت کر لیا کرو۔

میں خواہشمند کو اجازت نہیں دیتا ارشاد فرمایا: ابتدائی نسبت انعکاسی تو بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے مگر اجازت کے بارے میں ایک اصول ہے جو اپنے واردات بتاتا

ہے اور جس کو خواہشمند ہوتا ہے اس کو میں اجازت نہیں دیتا خواہ اس کے حالات کتنے ہی اچھے ہوں، حدیث میں بھی آیا ہے "انا لا نولی من طلب" جو امارت کا طالب ہو ہم اس کو امیر نہیں بناتا، میں نے اپنے اکابر کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں، حضرت گنگوہیؒ سے لے کر اب تک کے حضرات کو دیکھ چکا ہوں، میں نے دیکھا جن صاحب کی اجازت میں خواہش کا شائبہ بھی شامل ہوا ان کی بات نہیں چلی اور جن کو اجازت حصول گئی ان سے خوب کام ہوا۔

"تعلقات بزرگاں کو ترقی تعلقات کا مطلب" ارشاد فرمایا، بزرگوں کی چیز عمل پر اعتراض نہ کرو، اگر تمہاری عقل سے ماورا ہو تو مان لو ورنہ ان کو اللہ کے حوالے کر دو، جن کو اجازت دی گئی اور جس بزرگ نے اجازت دی وہ دونوں ذمہ دار ہوں گے۔ اس طرح کے بیجا سوالات سے نہ دنیا کا فائدہ اور نہ آخرت کا۔ ایک بزرگ تھے وہ مخلوق سے بھاگتے تھے یہاں تک کہ بالآخر وہ عاجز آگئے اور ان کے اردگرد کافی ہجوم جمع ہوگیا اور روزانہ بڑھتا رہا ایک دن انہوں نے اعلان کیا کہ میرے حجرے کے قریب کوئی نہ آئے جاؤ اس طرف اس کی اطلاع کر دی، خدام کو منع کرنے سے اور تحقیقات کی دلچسپی ہوتی ہے چنانچہ ۱۲ بجے شب میں ایک عورت نہایت حسین و جمیل آئی تو ان کے حجرے کے کواڑ خود بخود کھل گئے، وہ اندر داخل ہوئی اور کواڑ بند ہو گئے۔ باہر ایک شور ہنگامہ برپا ہوگیا، ہم نے لیگ و کانگریس کے دور میں دیکھا ہے کہ ایک ہی آدمی کے بارے میں زندہ باد و مردہ باد کے نعرے بدلتے رہتے، بہرحال ان بزرگ نے صبح کے وقت کواڑ کھولے تو سارا مجمع منتشر ہو گیا تھا، صرف ایک آدمی رہ گیا تھا، اس نے کہا حضرت میں نے آپ کے متعلق گرم کر رکھا ہے۔ ان بزرگ نے دریافت کیا کہ تم کیوں نہیں گئے؟ اس نے کہا کہ میں نے آپ کو پیر بنا رکھا ہے، ولی نہیں بنایا، اس کے جواب سے وہ بہت خوش ہوئے اور اس کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کو اجازت دے دی۔ اجازت میں تعلقات کو بھی دخل ہوتا ہے ان بزرگ نے کہا کہ چونکہ بہت ستایا تھا لوگوں نے دنیا سے کہا کہ تم اس صورت میں میرے پاس آجاؤ وہ آگئی تھی دنیا کے عورت کی صورت میں آنے کے بہت سے قصے ہیں، مفتی صاحب کے ذریعے بعض قصے نہیں سنائے۔

جو دنیا سے بے تعلق رہتا ہے اسکے پاس یہ ذلیل ہو کر آتی ہے

ارشاد فرمایا۔ ایک سیاح تھا۔ وہ سیاحت کرتا ہوا ایک جنگل بیابان میں پہونچا۔ وہاں ایک مسجد تھی، اس کے تینوں کونے پر تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے، یہ سیاح چوتھے کونے پر بیٹھ گیا اور ان لوگوں کی فراغت کا انتظار کرتا رہا۔ وہ بہت بھوکا تھا اور خوب بھوک لگی تھی اتنے میں ایک خوبصورت عورت، (دنیا) جو عورت کی صورت میں آئی، کھانے کا خوان سر پہ لئے ہوئے آئی۔ اس عورت نے آکر تینوں خوان مسجد کے تینوں کونوں پہ رکھ کر کھانے کی خوشبو پوری مسجد میں پھیل گئی اس نے ہر ایک کے سامنے پلیٹ پیالے ڈھیر لگائے اور ہر ایک سے خوشامد کرتی رہی کہ حضرت کھانا کھالیں مگر کسی کی توجہ نہیں ہوتا تھا۔ اس آدمی کو تعجب ہو رہا تھا کہ کیا بات ہے۔ بہت خوشامد کے بعد ہر ایک کا ہاتھ دھلایا۔ پس ان لوگوں نے کھانا شروع کیا اور بوٹی نکال نکال کر اس عورت کے منہ پہ مارتے جاتے تھے اس نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے مگر اجنبی ہونے کی وجہ سے خاموش رہا چنانچہ ان تینوں نے کھانے سے فراغت حاصل کی تو اس عورت نے ان کے ہاتھ دھلائے اور نہایت عمدہ رومال سے ان کے ہاتھ صاف کئے اس کے بعد وہ اس آدمی کے پاس آئی اور کہا کہ کھانا کھالو اور جلدی کرو اس نے بھی بوٹی سے اس عورت کو مارنا شروع کیا تو اس نے طمانچہ کھینچ کر اس کو لگایا تو سیاح نے کہا کہ یہاں کا یہ دستور نہیں ہے۔ اس عورت نے کہا کہ میں ہوں دنیا، یہ لوگ مجھ سے بے تعلق تھے۔ اس لئے مجھے ان کی خوشامد کرنی پڑی۔ اور تم شروع سے طالب تھے اس لئے تمہارے ساتھ یہی ہے (حدیث میں دنیا کے عورت کی صورت میں آنے کا ذکر ہے) اس نے کہا کہ چونکہ ان بزرگوں کے پاس بیٹھے ہوئے، اس لئے ان کی برکت سے یہ بھی اس طرح مل گیا ورنہ تجھے کوئی نہ پوچھتا۔ "هم القوم لا يشقى بهم جليسهم" سے کھانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اچھے لوگوں کے پاس بیٹھنے والوں کی مثال عطر فروشوں کی طرح ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو خوشبو محسوس ہوتی رہتی ہے اور برے ہمنشین کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھٹی جلانے والے کے پاس بیٹھے یا تو وہ تمہارے کپڑے جلائے گی یا تم اس کا دھواں پاؤگے۔

یکم شوال۔ عید مبارک

عید کی نماز کا اعلان: ۲۹ رمضان المبارک کو رویت ہلال کا ثبوت ہو گیا۔ جس پر یہ اعلان کیا گیا کہ یہاں مسجد میں عید کی نماز ۷ بجے ہوگی اور عیدگاہ میں ۸ بجے ہوگی۔

ارشاد فرمایا: ایک زمانہ ایسا تھا صاحب کہ میری عمر ۸ سال کی تھی، عید کی خوشی دو تین ماہ پہلے سے شروع ہو جاتی تھی اور ایک زمانہ اب آیا کہ یہ تمنا رہتی ہے کہ کاش ۲۹ کے بجائے ۳۰ کا چاند ہو جائے۔ حج سے فراغت کے بعد لوگوں کو گھر بہت یاد آتا ہے، دوستوں نے بہت سمجھایا کہ یہاں کے ایام کو غنیمت سمجھو مگر منیٰ سے واپسی کے بعد واپس جانے کے تقاضے شروع ہو جاتے ہیں۔ وہی منظر آج یہاں ہے۔

مولانا محمد احمد صاحب ام المجالس کے ناظم اعلیٰ تھے۔ وہ ایسے ہی بار بار آتے تھے کم گو تھے مگر بات میں مضبوطی تھی۔ وہ اگر پوچھتے حضرت رائے پوری کو سناجاتے کہ فلاں نے چاند دیکھا، اور فلاں نے دیکھا۔ دس بارہ آدمیوں کے نام گنا جاتے تو حضرت فرماتے کہ تم نے بھی دیکھا؟ تو کہتے نہیں۔

مربی حقیقی حق تعالیٰ ہے
شیخ صرف وسیلہ ہے

ارشاد فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت تھانہ بھون میں قیام فرمایا اس وقت وہاں مدرسہ نہ تھا۔ حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی قدس سرہ العزیز بھی وہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ وہاں ایک خاندان تھا ان کی زمین ضبط ہو گئی تھی اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے حضرت

میاں جیؒ کے پاس وہ لوگ دعا کے لئے آتے، تو حضرت میاں جیؒ نے فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے یہاں ان کے لئے سہ دری بنوا دو میں دعا کروں گا، انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا، وہ مقدمہ الٰہ آباد میں جا کر موافق ہو گیا، جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی، انہوں نے حضرت میاں جیؒ سے تذکرہ کیا، تو حضرتؒ نے فرمایا، کہ وعدہ بھی یاد ہے، انہوں نے کہا حضرت سہ دری بنوانے کی قوت نہیں، آدھی بنوا دیں گے،" حضرتؒ نے فرمایا بہت اچھا آدھی ہی، پھر الٰہ آباد سے باضابطہ حکم آیا تا حیات تو معاف تھا اب علیحدہ بھی ضبط، پھر انہوں نے آ کر حضرت سے عرض کیا، حضرت نے فرمایا "تمہیں نے تو آدھا کہا ہے میں کیا کروں؟"

فرمایا اَنَا عِندَ ظَنِّ عَبدِی بِی۔ کے مطابق اللہ جل شانہٗ معاملہ فرماتے ہیں، پیر بھی کچھ نہیں یہ تربیت کرنے والا اللہ ہے ۔

دیدہ حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا　　ہم کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

بیعت کے تعلق کو اللہ تعالیٰ نے وا لا اسباب میں تربیت کا سبب بنایا ہے حق تعالیٰ ہر ایک کی تربیت کرنا چاہتے ہیں، وہ دین و دنیا دونوں دینا چاہتے ہیں، خوب مانگو اس کریم کے ہاں کمی نہیں۔

اخلاص و خوشامد سے مانگنے کی لذت فرمایا، حق تعالیٰ بے حساب دینا چاہتے ہیں وما کان عطاء ربک محظورا، کیمیا سیکھنے والے بادشاہ کا قصہ سن چکے ہو، اخلاص و خوشامد سے مانگنے میں لذت ہے، تبلیغ والوں کی ان باتوں کا میں مخالف ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ ایک چلّہ لگا دو تو فلاں کام ہو جائے گا، یہ کہو کہ اخلاص سے کام کرو پھر دیکھو۔

ایک مولوی صاحب کہیں وعظ کے لئے گئے، انہوں نے اپنے وعظ میں کہا "دو دو دیا تو یہ توفیق" اللہ کے راستے میں خرچ کرنے پر دس گنا بدلہ دنیا میں اور ستر گنا آخرت میں ملتا ہے، بھائی ہم مولویوں کی صورت بھی صورت سوال ہے، ایک غریب آدمی تھا، اس نے محنت و مشقت سے تھوڑے پیسے اکٹھے کئے تھے اس نے پوری رقم لا کر مولوی صاحب کو دے دی اور واپس جا کر منتظر رہا کہ کب ایک ہزار ملتے ہیں

رات میں جہاں خواب تحریک ہوا وہ سمجھا کہ شاید کہیں سے کوئی رقم آ رہا ہے۔ بالآخر جب صبح ہوئی اس کو بہت پریشانی ہوئی، اور پیٹ کی شکایت ہوگئی، دست آنے شروع ہوگئے، شام تک یہی حالت رہی چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔ اس نے اس واعظ مولوی کو بہت برا بھلا کہا۔ مولوی صاحب بیان سے فارغ ہو کر آگے چلے گئے تھے۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا مجھے جنگل میں ڈال دو۔ چنانچہ ڈال دیا گیا۔ وہاں وہ ڈھیلے سے استنجا کرتا رہا اور بہت سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈھیلے تلاش کرتا رہا۔ بالآخر اس کو ایک موقع ڈھیلا ملا، اس کو کھودنے میں ایک آواز سی آئی۔ اس کو سن کر اس کے جان میں جان آئی۔ جو کھودا تو اس کو روپے کی ایک ہانڈی مل گئی۔ اس میں ایک ہزار روپے تھے۔ بہت خوش ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر وہ مولوی صاحب وعظ کہنے آئے تو اس نے ان سے کہا مولوی جی! تمہاری بات تو سچی ہے مگر تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس راستے میں اس قدر مصیبت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے؟

روپے کا نشہ

ارشاد فرمایا: روپے میں ایک قسم شراب کا نشہ ہوتا ہے ایک حجام تھا وہ ایک بادشاہ کی حجامت بنانے کے لئے اس کے سرہانے بیٹھا اور کہنے لگا تھا کہ گھر کے گھر پک بن ہو جاتے ہیں لڑکا اور ان کی لڑکی یعنی دونوں کی شادی ہو جاتے۔ بادشاہ کو سن کر بڑا غصہ آیا۔ اس نے اپنے وزیر کو کہا کہ اس حجام کو پھانسی دی جائے۔ ایک تجربہ کار وزیر نے کہا کہ ابھی اس کو سزا نہ دیں دوسری جگہ بیٹھ کر حجامت بنوائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا تو یہ حجام خاموش رہا۔ اس کے بعد پھر اس وزیر نے کہا کہ اب پہلی جگہ تشریف لائیں۔ وہاں بیٹھنے کے بعد وہی قصہ پیش آیا۔ اس وزیر نے کہا کہ آپ کے سرہانے خزانہ پوشیدہ ہے، یہ اس پر بیٹھنے کا اثر ہے۔ چنانچہ اس جگہ کی کھدائی ہوئی تو خزانہ برآمد ہوا۔

ارشاد فرمایا: جو کچھ آخرت کے بینک میں جمع کرنا ہے جمع کر دو، یہ لنگڑی، اندھی، کانی ہر طرح کی معاصی میں مبتلا، شرارت میں مبتلا ہے، غیبت کو تو ہم لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں، اس غزل کا یہ شعر قابل مطالعہ ہے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ — کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اکابر کے طریقے کو لازم پکڑو ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں کی ایک ایک ادا واتوں سے پکڑنے کے قابل ہے جب سے میں نے سنا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ تیس تاریخ کو الم ترکیف سے تراویح پڑھتے تھے، اگر آج چاند نہ ہوا ہوتا تو میرا بھی ارادہ تھا کہ عبدالرحیم سے کہوں کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھاوے۔

فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعداد و لاتحصیٰ احسانات ہیں، اس لئے کثرت سے درود پڑھتے رہو اور کلمہ سوم کا ورد رکھو۔

عید کی صبح کو نماز سے پہلے حضرت اقدس مدظلہم نے حدیث مسلسل بالاولیہ کو پڑھ کر ہر سال کے دستور کے مطابق اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ عید کی نماز حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی مدظلہ نے پڑھائی۔ حق تعالیٰ اس رشد و ہدایت کے سرچشمہ حضرت اقدس مدظلہم کے سایہ کو ہمارے سروں پر سالہا سال تک تا دیر قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

> ضمیمہ: آئندہ کے صفحات پر ۱۳۹۶ھ کے رمضان المبارک کے ملفوظات کو خصوصیت سے نیز اس کے علاوہ کے ملفوظات کو بھی ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں، بعض مکررات کو حذف کر دیا ہے اور مضامین میں ترتیب قائم کر دی ہے۔

تبلیغی جماعت اور مدارس۔ تبلیغی جماعت سے حضرت اقدس مدظلہم کا جو سرپرستی کا تعلق ہے اس کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے سوانح یوسفی میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"حضرت شیخ الحدیث صاحب کی سرپرستی، فکرمندی و دلسوزی صاحب سوانح اور دعوت تحریک کے جسم و جان و رگ و ریشہ میں اس طرح پیوست ہو گئی ہے، جو شاخ گل میں جس طرح باد سحرگاہی کا نم"

حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا: میں نظام الدین کی تبلیغ کا بہت معتقد ہو گیا ہوں، چچا جان

کے زمانے میں کم اور مولوی یوسف مرحوم کے دور میں اس کا بہت معتقد ہو گیا ہوں اس لئے اپنے تمام متعلقین کو ہدایت کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے اس میں تعاون کیا جائے۔ صحیح بخاری میں خشیت قلب کے سلسلے میں آیا ہے۔ "قد تواطأت" خوابوں کا اتفاق ہو گیا ہے۔ اسی طرح تبلیغ کے سلسلے میں بھی بہت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشرات ہیں۔ تبلیغ کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی جاتی ہے کہ تبلیغ والے مدارس کے مخالف ہیں مگر یہ بات صحیح نہیں۔ مجھ سے کلکتہ و دہلی کے سینکڑوں آدمیوں نے بیان کیا کہ ہمارا علماء، مدارس سے کوئی تعلق نہیں تھا مگر اس کام کے ذریعہ تعلق پیدا ہوا۔ اس کام کی برکت سے ہزاروں آدمیوں نے بلکہ لاکھوں آدمیوں نے شراب چھوڑ دی اور تائب ہو گئے چونکہ اس کام میں بہت سے شرابی وغیرہ تائب ہو کر گئے ہیں اس لئے ان کی طرف سے بے اعتدالیاں ہو جاتی ہیں ان کو مناسب انداز میں ٹوکنے کی کوشش کرنی چاہئے اگر تم یہ نہ کر سکو تو ہم کو لکھو ہم تو بڑے بڑوں کو ٹوکتے ہیں۔ مجھے اپنے چچا جانؒ سے تبلیغ کے بارے میں کئی چیزوں میں اختلاف تھا مگر وہ فرماتے تھے کہ عین تبلیغ کا یہ مخالف ہے اور کوئی نہیں مگر اس کے باوجود جتنا نفع اس سے پہنچا اور کسی سے نہیں۔ ایک مرتبہ چچا جان نے خواب دیکھا کہ آگے آگے چچا جان اور ان کے پیچھے میں ہوں اور میرے پیچھے حضرت سہارنپوریؒ۔ اس خواب کو چچا جانؒ نے حضرت رائپوری سے بیان کیا۔ حضرت نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ آپ کی تقویت حضرت شیخ سے ہے اور ان کی پشت پر حضرت سہارنپوریؒ ہیں۔

ارشاد فرمایا: ہمارے یہاں سکوت ہے اور نظام الدین کے حضرات کے یہاں حرکت۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ نے ایک خواب سنایا کہ کسی بزرگ نے خواب میں فرمایا کہ تبلیغ صرف نظام الدین سہارنپور و کاندھلہ سے نہیں چلے گی بلکہ جو یہاں ہے اور جہاں جہاں کام کو سمجھا اور کرتے اور دونوں سے چلے گی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ انہوں نے صحیح کہا۔

مشاجرات صحابہ کرام تکوینی طور پر تکمیل دین کے لئے پیش آئے

ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی ضرورت نبی کی ہوتی ہے کہ امت کے لئے جو احکام نازل ہوں وہ ان کو عملی جامہ پہنا کر جاری کر جائے تاکہ بعد والوں کو یہ

کہ عمل کبھی شرح نہ ہے کہ ان پر عمل کیسے ہو سکتا ہے ایسی حالت میں قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں۔
ایک وہ جو شان نبوت کے منافی نہیں ان کا صدور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر سے ہوا۔
یہی وجہ ہے کہ لیلۃ التعریس میں صبح کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھل سکی۔ یہ واقعہ ایک مرتبہ تو قضا
پیش آیا اور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ دو تین مرتبہ پیش آیا۔ چونکہ یہ فعل
شان نبوت کے منافی نہ تھا اس لئے حضور کی ذات سے صادر ہوا۔ اسی طرح نماز میں سہو ہو جانا
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد بار پیش آیا جس کے بارے میں خود حضور کا ارشاد ہے کہ
انی لا انسی ولکن انسی لاسن (موطا مالک) میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔ تاکہ
سنت طریقہ جاری کر جاؤں۔ حضرت بریرہؓ کے قصہ میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو
خرید کر آزاد کرنا چاہتی تھیں مگر حضرت بریرہؓ کے آقا اپنے لئے ولاء کی شرط لگاتے تھے جب حضور کو
معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا اشتری واشترطی بعض علماء نے اس روایت میں اشترطی پر کلام کیا ہے کیونکہ
بیع میں اس طرح کی شرط لگانا ناجائز ہے جبکہ دوسری روایت میں الولاء لمن اعتق آیا ہے مگر میری رائے
ہے یہ بالکل صحیح ہے ایک بیع باطل ہے اور ایک بیع فاسد حنفیہ کے نزدیک شرط لگانے سے بیع فاسد
ہو جاتی ہے مگر مفید ملک ہے اس حدیث سے بیع فاسد کا جواز بتایا گیا ہے۔

اس طرح کے افعال حضور سے بیان جواز کے لئے تعلیماً صادر ہوتے۔ اس پر عمل کرنے سے آپ کو
پورا ثواب ملتا تھا۔

اسی طرح جو افعال شان نبوت کے منافی تھے وہ صحابہ کرامؓ سے کرائے گئے انہوں نے خود اس
کے لئے اپنے کو پیش کیا کہ ہمارے ذریعہ اپنے دین کی تکمیل کر لیں، ہم سنگسار ہونے کے لئے تیار ہیں، ہاتھ
کٹوانے کے لئے تیار ہیں ان افعال کی قباحت میں کمی نہیں۔ حضرت ماعزؓ و حضرت غامدیہ کو سنگسار کیا گیا۔
ہم ان لوگوں کے ذریعہ دین کی عملی تکمیل کی گئی۔

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

اسی طرح صحابہ کرامؓ کے مشاجرات، جنگ جمل و صفین وغیرہ سب تکوینی طور پر پیش آئے
حضور کے زمانے میں حکومت پر لڑائی کرنا کفر تھا کیونکہ جب حضور کا فیصلہ ہوتا وہ قطعی تھا

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں اس کا موقع دیا گیا کہ حضورؐ کے وصال کے صدمے کا صحابہ کرامؓ سے
متحمل ہو جاتے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اتنی طاقت سے دین کی تکمیل کی گئی، حضرت عثمانؓ کے زمانے
میں اختلافات شروع ہوئے، حضرت علیؓ کے زمانے میں لڑائیاں ہوئیں تاکہ دونوں طرف کے
اصول و ضوابط معرض وجود میں آ جائیں، اور اس طرح دین کی تکمیل ہو سکے، ہم نے صحابہ کرامؓ کو نہیں
سمجھا وہ ہم کو حکومت و سیاست کے اصول وغیرہ ہر چیز کر کے دکھلا گئے تفصیل کے لئے
ملاحظہ ہو الاعتدال ص۱۲۲

علماء کا اختلاف اچھی چیز ہے اور مخالفت بری ہے ارشاد فرمایا: میرے والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ علماء کا اختلاف اچھی چیز ہے۔ میں نے [illegible] سے حدیث کی کتاب
پڑھانی شروع کی تھی اور آج تک ہر سبق میں اس کو بیان کرتا ہوں، آج کل معذوریوں کی وجہ سے سبق
کا سلسلہ بند ہو گیا ہے، میرے والد صاحبؒ ایک قصہ سنایا کرتے تھے۔ ایک صاحب بڑے عالم بلکہ علامہ تھے
سیکڑوں شاگرد اور ہزاروں مرید تھے، ان کا ایک لڑکا تھا لیکن اس نے کوئی علمی کمال نہیں پیدا کیا، جب
ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اس کو بلا کر کہا کہ جب تم سے کوئی مسئلہ دریافت کرے تو تم اسے
کہہ دینا کہ اس مسئلہ پر علماء کا اختلاف ہے، جیسا کہ مغرب کے وقت کی دو رکعت میں اختلاف ہے کہ افطار روزہ
کھولنے سے پہلے پڑھنا چاہئے یا بعد میں، حدث حکمی، نماز جنازہ کی تکبیرات تک میں علماء کا اختلاف ہے
اس لئے مناسب ہو تو انہوں نے صحیح بتلایا، اختلاف امت مجھے پسند ہے

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا مقولہ گذر چکا کہ صحابہ کرامؓ کے کسی مسئلہ میں اتفاق سے مجھے اتنی خوشی
نہیں ہوتی جتنی اختلاف سے کیونکہ اختلاف کی وجہ سے گنجائش رہتی ہے، یہ اختلاف بڑی مبارک
چیز ہے البتہ مخالفت بری چیز ہے۔ میرے والد صاحبؒ کو حضرت گنگوہیؒ اور حضرت سہارنپوریؒ سے
جو تعلق تھا وہ سب کو معلوم ہے مگر بعض مسائل میں ان حضرات سے اختلاف بھی تھا، میرے حضرت
سہارنپوریؒ بعض لوگوں سے خود فرماتے ہیں کہ فلاں چیز میرے نزدیک جائز نہیں لیکن مولوی یحییٰ صاحب
کے نزدیک جائز ہے، تمہارا جی چاہے اور جی چاہے ان سے پوچھ لو اور اس کے موافق عمل کر لو، خود میرے
ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرتؒ کے آخیر رمضان المبارک میں شعبان کے آخر سے یہ بحث شروع

عرض کیا کہ آج مطلع صاف ہے، تیس روزے پورے ہو جانے کے بعد اگر شام کو رویت نہ ہوئی تو
کل روزہ رکھنا ہوگا یا نہیں؟ حضرت کا ارشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت
پر مدار تھا بعض وجوہ سے شرعی حجت نہ تھی اس لئے روزہ ہے، البتہ میرا ناقص خیال تھا کہ وہ حجت شرعی
سے صحیح تھی اس لئے کل کا روزہ نہیں ہے۔ دن بھر بحث رہی۔ شام کو چاند نظر آیا، حضرت نے طے فرمایا کہ
جب روزہ رکھوں گا میں نے عرض کیا میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا میرے اتباع کی ضرورت نہیں۔ مجھے
خیال گیا ہو تو روزہ رکھو ورنہ نہیں۔ بالآخر حضرت کا روزہ تھا اور میرا افطار تھا حضرت کے خدام میں متعدد ایسے
تھے جنہوں نے افطار کیا اور متعدد نے روزہ رکھا۔ حضرت نے ان سے دریافت بھی نہ فرمایا کہ تم نے افطار کیوں کیا۔ مگر
مجھے اب تک قلق ہے کہ میں نے اپنی سمجھ کو حضرت کی رائے کے مقابلہ میں کیوں قابل اعتنا سمجھا۔ مگر حضرت نے ذرا
بھی اظہار ناگواری کچھ بھی نہیں فرمایا۔ بلکہ تصویب ہی فرمائی۔

جامع کمالات مذاہب میں نے اختلاف ائمہ کو مشکوٰۃ شریف کی تدریس کے زمانے میں ختم کیا تھا۔ تو ان کی
تعداد ہوا دو سو تک پہنچ گئی تھی بخاری کی تدریس کے زمانے میں ان کی تعداد پونے تین سو تک پہنچ گئی ہوگی جن اسباب
اختلاف ائمہ حضرت کا مستقل رسالہ ہے جو اب طبع ہو چکا ہے الاعتدال میں بھی اس پر گفتگو فرمائی ہے۔

فرمایا۔ علامہ شعرانی نے اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کے درمیان تطبیق دینے کی
کوشش کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہر امام نے اپنے دور کے لوگوں کے لحاظ سے کہا ہے جس کو لوگ اختلاف سمجھ رہے
ہیں، مگر نقل مذاہب میں ان سے تسامح بھی ہوا ہے۔

فرمایا رام پور میں ایک دعوت تھی اور وہاں ختم بھی تھا سب اکابر نے شرکت فرمائی۔ مگر
عین وقت پر حضرت تھانوی نے انکار کر دیا۔ لوگوں کو تعجب ہوا، حضرت نے فرمایا کہ ان اکابر
کو اپنے خلوص شان کے باوجود ان مفاسد کا علم نہیں، جو مجھے معلوم ہیں اس لئے سد اللباب
میں حاضر نہیں ہوا۔

نوٹ: ایک طالب علم نے دو قرآن ختم کر کے حضرت اقدس کو ایصال ثواب کیا تھا۔ اس پر
حضرت نے اظہار مسرت فرمایا۔ مولانا عبدالمنان دہلوی نے عرض کیا کہ میں نے اسی طرح ایک
طواف حضرت والا کے لئے کیا تھا حضرت سے ذکر کیا تو فرمایا اس کو ذکر نہ کرنا چاہئے۔ اس میں

اسی وجہ سے میرے ساتھ تعلق تھا اور میرے والد صاحبؒ سے بھی بے تکلفی کے تعلقات تھے جب حضرت سہارنپوریؒ سفر حج کے لئے تشریف لے گئے تو میرے والد صاحبؒ کے نام حضرت تھانویؒ کا خط آیا کہ ہر ماہ ایک مرتبہ ختم بغرض نیابت کرایا کرو ایک مرتبہ والد صاحبؒ نے حضرتؒ کو سہارنپور آنے کی دعوت دی تو حضرت کے ہاں قانون وضابطہ بہت تھا جواب آیا کہ میں ادھر سفر پر آؤں گا تو سہارنپور سے تھانہ بھون تک میرا اور میرے خادم کا کرایہ دینا پڑے گا اور ایک ہنڈیا ارہر کی دال دینی پڑے گی حضرت کو ارہر کی دال بہت پسند تھی اور میری والدہ صاحبہ بہت اچھی پکاتی تھیں والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد میں نے حضرت کو خط لکھا کہ حضرت کا جو دستور تھا۔ اس میں میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ تو جواب آیا بڑی شفقت سے دیا کہ ضرور جاری ہوگی۔ اس کے بعد سے مستقل قانون ہوگیا کہ سہارنپور میں میرے ہی مہمان ہوتے تھے۔ میری وجہ سے میاں کی مدد قبول نہیں، بجز اس کے کسی ضرورت سے سہارنپور آمد ہوتی تو میرے ہی مہمان ہوتے۔

فرمایا ایک مرتبہ مولانا ظفر احمد تھانویؒ شیخ الاسلام پاکستان میرے ہاں مہمان تھے۔ ان دنوں اختلاف کا تھا۔ اتفاقاً دونوں آ گیا اور میں نے کہا کہ حضرت مدنیؒ تشریف لاتے ہیں مجھے فکر ہوئی کہ دونوں کو دسترخوان پر ایک ساتھ کس طرح جمع کروں۔ مولانا ظفر احمد صاحب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہیں پہلے انہیں کھانا کھلا دوں، کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد واپس چلے جائیں گے اس کے بعد آپ کے لئے دسترخوان بچھاؤں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارا اختلاف سیاسی ہے۔ حضرت ہمارے مرشد و پیشوا ہیں، ہم تو ساتھ کھانا کھائیں گے پھر میں نے حضرت سے عرض کیا، حضرت نے بھی فرمایا کوئی حرج نہیں ساتھ کھانا کھائیں گے چنانچہ دسترخوان پر دونوں حضرات تشریف لائے، ادھر ادھر کی بے تکلفی کی باتیں کرتے رہے مگر سیاست کا کوئی تذکرہ تک نہیں کیا۔

ارشاد فرمایا۔ جمعیت و مسلم لیگ کی لڑائیاں مجھے اچھی نہیں لگتیں ایک صاحب نے اپنا خواب لکھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ قصر میں ہیں اور فرماتے ہیں کہ محمد میاں بھی میرے ہیں اور اسعد میاں بھی میرے ہیں۔ آنکھ کھل گئی۔ میں نے کہا تعبیر واضح ہے۔ دونوں مخلص ہیں۔ تم لوگ آپس میں لڑ بھڑ کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہو۔ اختلاف ویسا ہی ہے جیسے لیگ و کانگریس کا تھا۔ اگر کوئی اخلاص نیت سے کسی رائے

نوافل میں سے اختیار کرنا چاہے تو کرلے، ورنہ میری طرح الگ تھلگ ہو کر تسبیح پڑھتا ہے۔

ارشاد فرمایا: علماء کا اختلاف اگر کسی مسئلے میں ہوتا ہے تو گنجائش نکل آتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مقولہ ہے کہ جس مسئلے میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف نہیں ہوتا اس میں مجھے تنگی معلوم ہوتی ہے۔

ہمارے اکابر کی طبائع میں تضاد تھا مگر اس کے باوجود ایک تھے

ارشاد فرمایا: میں نے اپنے اکابر کو خوب دیکھا، ان کی طبائع میں تضاد تھا مگر سب ایک تھے، ہر ایک دوسرے کی بڑی قدر کرتا تھا۔ حضرت اقدس تھانویؒ کے یہاں تو ہر کام ضابطہ سے ہوتا تھا، جب کہ بڑی گنجائش حضرت رائے پوریؒ کے یہاں تو شیخ کا قلب تھا۔ حضرت تھانویؒ ایک مرتبہ رائے پور تشریف لے گئے تو فرمایا: اللہ اکبر! یہاں کے پتے پتے سے تو شیخ ٹپکتی ہے۔ بڑے حضرت رائے پوریؒ کے زمانے میں ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کمتر سمجھتا تھا۔ بڑے حضرتؒ کے زمانے کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ، مفتی رحمت علی صاحب وغیرہ تھے۔ حضرت کے زمانے میں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ بھی کوئی چیز ہیں۔ حضرت نے رائے پوریؒ و حضرت مدنیؒ کے سب وطنیت وغیرہ کی۔

اللہ والوں سے دوستی بنانا چاہیے

ارشاد فرمایا: میرے والد صاحبؒ کے انتقال پر اللہ نے مجھے بہت صبر دیا تھا، پھر بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ باپ کے انتقال پر پتا نہیں کیا حال ہو گیا ہے۔ شادی کے لئے خوشی ہوتی ہے، انتقال کے بعد شریعت سے تین دن تک ہے۔ میں نے کوئی ایک ڈیڑھ سو روپے کی روٹیاں منگوا کر لوگوں کو کھلائیں۔ ایک بزرگ جو میرے والد کے دوست اور مخلص خادم بھی تھے، وہ بڑے صاحب کشف تھے، کشف قبور میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ والد صاحبؒ کے انتقال کے دوسرے دن ان کی قبر پر حاضر ہوئے تو والد صاحبؒ نے ان سے تین باتیں فرمائیں:

(۱) والد صاحبؒ کے مخالفین بہت تھے۔ فرمایا کہ مولوی ذکریا سے کہہ دیجئے کہ ان کی فکر نہ کرے، وہ خود اپنا نقصان اٹھائیں گے۔

(۲) والد صاحبؒ پر قرض بہت تھا، اس کے مانگنے والے بہت تھے۔ والد صاحبؒ نے فرمایا کہ ذکریا کہہ دو الحمدللہ سب ادا ہو گیا۔

فرمایا: مصیبت بھی بندہ خدا کے یہاں رحمت ہے۔ خصوصاً جب کہ آج کل مجلسوں میں بیٹھ کر الا حق الی شروع کر دی ہے آج کل زبانیں بہت کھل گئیں اور بدگمانیوں کے سبب مصائب آتے ہیں کیونکہ آدمی کو خدا کی طرف سے ذلیل مطلق رہتی ہے جب آدمی توبہ نہیں کرتا تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے آدمی کہتا ہے کہ کوئی جرم تو نہیں کیا مصیبت آگئی ہم سمجھتے نہیں۔

اکثر مصائب کا سبب زبان درازیاں ہیں۔

فرمایا: اکثر زبانوں کی بے احتیاطیوں کے سبب مصیبتیں آتی ہیں۔ حدیث میں بھی آیا ہے هل يكب الناس الا حصائد السنتهم زبان درازیوں کے سبب اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا حضورؐ کے ارشادات بہت اہم ہیں ہم مولوی پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ ایک حدیث ہے "احبب حبيبك هونا ما عسى ان يكون بغيضك يوما ما" اگر تمہاری کسی سے دوستی ہو تو ہلکی ہلکی، ممکن ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دشمن ہو جائے۔ اسی طرح اگر کسی سے عداوت ہو تو اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ شاید کسی دن اس سے دوستی ہو جائے۔ آج کل لوگوں نے راہ اعتدال چھوڑ دی ہے۔

"آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا"

حضرت اقدس بہت کثرت سے اپنے سبق میں بیان فرماتے تھے کہ یہی قرآن و حدیث صحابہ کرامؓ کے زمانے میں تھا اور یہی ہمارے زمانے میں بھی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ان پر ایمان قلبی و حقیقی تھا۔ ادھر انہوں نے حضرت کو حضورؐ کے ارشادات و قرآن پر اتنا زیادہ قطعی یقین ہوتا تھا کہ اس میں کسی قسم کے تردد کا شائبہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ بعد ہم لوگوں کی زبان پر سب کچھ ہے۔ اور دل میں کچھ بھی نہیں اس قسم کے مختلف واقعات سناتے رہتے تھے۔ سبق کے علاوہ یہ مضمون ہم اس کے علاوہ حضرات کی مجالس میں بہت کثرت سے آتے ہیں۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

ہمارے مدرسہ مظاہر علوم کے بانیوں میں ایک حافظ فضل حق صاحب تھے۔ جن کے صاحبزادے

دو جل رہے تھے جب آپ کا مکان بھی جل گیا ہوگا۔ وہ انگریز کچھ لکھ رہا تھا۔ وہ جب حقیقت پوچھے تو میں مشغول رہا اور اس نے کہا کہ میرا مکان محفوظ ہے کیونکہ میں مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتا ہوں اور میں نے سن رکھا ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ جو دین محمدی کے مطابق زکوٰۃ نکالے اس کے مال ہر طرح کی آفات سے محفوظ رہتا ہے اس لئے میرا بنگلہ محفوظ ہے۔ چنانچہ بعد میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہاں سارے بنگلے جل گئے سوائے اس انگریز کے بنگلے کے۔ یہ قصہ بچپن میں میں نے سنا تھا۔

ارشاد فرمایا: یقین و اعتقاد پر سب کچھ ہوتا ہے۔ بابو جی یعنی مرزا نظام الدین کے ایک بیٹے کا قصہ ہے کہ سنہ ستاون کے ہنگامہ میں جو قیامت صغریٰ دلی میں برپا تھی ایسی حالت میں باہر کسی کی آمد و رفت مشکل اور دشوار تھی اسی زمانے میں میرا قیام بھی نظام الدین میں تھا۔ راشن سبزی منڈی میں ملتا تھا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا۔ سارے سکھ آباد تھے۔ بابو جی ان کو لینے کے لئے تنہا سبزی منڈی گئے واپسی میں انہوں نے ایک تانگہ کیا اس پر تین سکھ بیٹھے ہوئے تھے وہ آپس میں اشارہ کرنے لگے کہ اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ بابو جی نے ان کی باتوں کو سن کر کہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو تین کے بجائے تیس ہوتے جب بھی تم لوگ میرا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ سکھ حیرت زدہ و مرعوب ہو گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے جب نظام الدین قریب آیا تو اس وقت بھی بابو جی نے کہا اب بھی جو کرنا چاہتے ہو کر لو آگے بھنڈلا ہے مگر وہ خاموش رہے۔ نظام الدین پہنچ کر بابو جی تانگے سے اترے تو ان سکھوں نے کہا کہ بابو جی ہم تمہیں مار تو نہیں سکے لیکن ایسی حالت میں اس طرح بے خوف ہو کر کس طرح بات کر رہے ہو؟ بابو جی نے کہا کہ میں کھڑا ہوں اب بھی جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو مگر ان کی ہمت نہیں ہوئی۔ جب انہوں نے آ کر یہ قصہ سنایا تو ہمیں بھی حیرت ہوئی۔ انہوں نے کہا حضرت جی آپ نے دعا بتلائی تھی اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم جب کہیں جاتا تھا۔ تو آتے جاتے ہر وقت یہی دعا پڑھتا ہوں۔ اس لئے اطمینان تھا۔

ارشاد فرمایا: اگر واقعی یقین و اعتقاد سے عمل کیا جائے تو اب بھی ان دعاؤں میں وہی تاثیر ہے۔

اضافہ از مرتب:-

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

حاکم تحصیل کا قصہ ارشاد فرمایا: کہ اللہ کے مجھ پر اور ہر شخص پر بہت سے احسانات ہیں "وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا" (اور اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کا احصاء نہیں کر سکتے) اللہ کا شکر ہے کہ جو آپس کے اختلافات کے باوجود لوگوں کو مجھ پر اعتماد رہا ہے۔ چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ نور اللہ مرقدہ) کے انتقال کے بعد لکھنؤ ندوۃ العلماء میں ایک تبلیغی اجتماع رکھا گیا، مولانا علی میاں اور مولانا منظور نعمانی کی آمد چچا جان کے زمانے سے تھی یہ حضرات علی میاں سے چچا جان کے معتقد تھے اور مولانا یوسف سے بھی ایسے ہی رہے ان لوگوں کی کوشش سے ندوہ میں تبلیغ آئی آج کل مقامی مدرسہ ہر مدرسے سے زیادہ وہاں تبلیغی کام ہوتا ہے۔ البتہ علی گڑھ سے کم ہے جو ندوہ میں سنایا جاتا ہے اور اس زمانے کا ہے کہ جب مشاورت وغیرہ شروع نہیں ہوئی تھی اور سیاست کے میدان میں ان دونوں حضرات نے قدم نہیں رکھا تھا جب ان دونوں نے اس میدان میں قدم رکھا تو میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تمہارے بس کا یہ کام نہیں ہے بعد کے واقعات سے اس کی تصدیق بھی ہو گئی بعض مشکل حالات سے یہ مجبور تھے مولانا یوسف صاحبؒ سے ان سارے واقعات کے باوجود بعض چیزوں میں ان حضرات کا اختلاف بھی تھا وہ یہ کہ مولانا یوسف صاحب کے یہاں کوئی نظام نہیں تھا اور یہ حضرات نظام اور قواعد سے کام کرنا چاہتے تھے میں بھی ان دونوں کے ساتھ تھا۔ لکھنؤ کے اجتماع سے پہلے علی میاں اپنی بڑی عقیدت سے تشریف لاتے اور کہا کہ ہم لوگ اجتماع کر رہے ہیں اور یہ طے کیا گیا ہے کہ جماعتیں پہلے آجائیں اور مولانا یوسف صاحب تیسرے دن اجتماع میں شریک ہوں تاکہ اس سے پہلے ہم لوگ وہاں کی فضا کو ہموار کر دیں میں نے مولوی یوسف سے کہہ دیا کہ جلسہ میں تیسرے دن شریک ہونا میں نے قصداً علی میاں کا نام نہیں بتایا مگر شاید وہ سمجھ گئے وہ ہمیشہ میری بات مانا کرتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے چنانچہ مولوی یوسف تیسرے دن شریک ہوتے اور ان کی پہلی

زیادہ ہوتی تو دوسروں کے یہاں کپڑے بھیجوں گا اور اگر سو روپے ماہوار آمدنی ہوتی تو اسی اعتبار سے ضروریات زندگی بڑھاتا جاؤں گا۔

ایک یتیم لڑکا تھا باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ماں کے قابو میں نہیں تھا۔ وہ لڑکا سچا تھا۔ اور اس کو اپنی ریاست کا بھی گھمنڈ تھا۔ گلستاں کا ایک شعر آیا جس کا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ مقدر میں ہو گا وہ مل کر رہے گا۔

اس لڑکے نے اپنے استاد سے کہا مولوی صاحب اگر میں کھانا نہ کھانا چاہوں تو کون مجھے کھلائے گا؟ غرض گھمنڈ تو تھا ہی ماں کے پاس گیا اور کہا کہ کتاب جھوٹی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اگر مقدر میں ہے تو مل جائے گا۔ میں آج سے کھانا نہیں کھاؤں گا۔ مجھے کون کھلائے گا۔ ماں نے اپنی محبت سے اس کی خوشامد کی مگر وہ تو ضد پر تھا گھر سے باہر قبرستان میں شام کو چلا گیا۔ ماں کو فکر ہوئی کہ کہاں ہے تلاش کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہاں قبرستان میں ایک درخت کے نیچے ہے۔ چنانچہ ماں نے شام کو بہت خوشبودار پلاؤ پکایا اور اس کے قریب لے کر گئی اس کی بہت خوشامد کی مگر کسی طرح کھانے کے لئے تیار نہ ہوا اور نہ وہاں سے گھر آیا۔ بالآخر ماں وہاں سے واپس آ گئی خوشبو اس کے آس پاس آ رہی تھی۔ آدھی رات کو ڈاکوؤں کی ایک جماعت آ رہی تھی وہ قبرستان میں پہنچے تھے۔ کہا یہاں پلاؤ کی خوشبو آ رہی ہے قریب جا کر دیکھا تو وہاں ایک لڑکا ہے اور اس کے قریب پلاؤ ایک برتن میں رکھا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے اس لڑکے سے پوچھا کہ یہ پلاؤ کیا ہے؟ اس نے کہا بہت اچھا آپ لوگ کھائیں مگر ان ڈاکوؤں کو اس جواب سے شبہ ہوا کہ کہیں اس میں زہر تو ملا ہوا نہیں اس لئے اس لڑکے کو پہلے اس میں سے کھلانا چاہتے تھے جب اس سے کھانے کے لئے کہا تو اس نے انکار کیا ان کو اس سے اور بھی شبہ بڑھا ایک نے چھرا نکالا اور ایک گال پر ایک چرکا لگایا کہا تو اس نے کھایا پھر دوسرے گال پر لگایا کہ ادھر سے کھاؤ پھر تیسرا لگایا کہ نیچے سے بھی کھاؤ۔ غرض جب اچھا لگا کر چاروں طرف سے خوب پلاؤ بھی اس کو کھلایا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے کھایا۔ وہ لڑکا خالی برتن لے کر ماں کے پاس آیا اور کہا کہ اماں! پلاؤ بھی کھایا اور جوتے بھی کھائے۔ کتاب سمجھ میں آ گئی۔ اب پڑھنے جاؤں گا۔

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! یہ جاننے کی چیز ہے نہیں بالفعل اور مدرسے کے

کی خوشامد کرتے ہو۔ یہ روٹی جو پکی ہوئی ہے کہ یہ کس کے منہ میں جائے گا۔

کابل سے ایک صاحب نے انگور کی ایک ٹوکری پشاور کے ایک صاحب کے یہاں بھیجی۔ انہوں نے لاہور اپنے ایک دوست کو بھیج دی۔ وہ صاحب میرے چچا جانؒ کے مرید تھے۔ انہوں نے مستقل ایک آدمی کے ذریعے چچا جانؒ کے پاس نظام الدین بھیجی اور چچا جانؒ نے اس کو میرے پاس بھجوا دیا۔ میں نے مولوی نصیر کی بچی بیوی کے پاس اس میں سے چند دانے بھیجے۔ وہ بچے پھوپھی نے غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اجنبی گمنام کے پاس بھیجنے کا کس طرح انتظام فرمایا اور اس کے مقدر کا حصہ کس طرح پہنچوایا۔

ارشاد فرمایا: ہم نے یہ سنا ہے کہ روزی کے ہر ہر دانے پر مہر لگی ہوتی ہے جس کے مقدر میں ہوگا وہ کھانے والا کا قسم یہ باتیں ہماری عقل میں آجاتی ہیں۔

ایک صاحب ایک مسجد میں گئے اور ملا سے کہا کہ رات یہیں تمہاری مسجد میں گزارنا چاہتا ہوں۔ ملا کو خدا رزق کی فکر ہوتی ہے۔ ملا کے پاس محلے سے کھانا آیا تھا۔ اس نے ان صاحب کو کھانے میں شرکت کی دعوت دی۔ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرا مرغ پلاؤ کھانا آتا ہے۔ تم اپنا کھانا کھاؤ۔ ملا کو بہت غصہ آیا۔ اس نے کہا کہ مرغ پلاؤ کے انتظار میں رات بھر بھوکے رہو گے۔ دیکھو کہاں سے تمہیں مرغ پلاؤ ملتا ہے۔ نصف رات کو ایک آنے والے نے آکر مسجد کے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب طباق میں مرغ پلاؤ لئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کوئی منت مانی تھی جس کو پورا کرنے کے لئے اس وقت لائے تھے۔ چنانچہ ملا جی نے ان صاحب کو جگایا۔ انہوں نے کھانا کھایا۔ اور اس میں ملا جی نے خوب کھایا۔ صبح کو جب وہ جانے لگے تو ملا نے کہا کہ ساتھ لیتے جاؤ راستے میں ضرورت پڑے گی۔ انہوں نے کہا: میری جو روزی ہے وہ مل کر رہے گی جیسے یہاں ملی ہے۔

نوٹ: معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب عارف باللہ و متوکل تھے۔ ایسے لوگوں کے اس طرح کے بکثرت واقعات ہیں۔

ارشاد فرمایا: ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک مسجد میں آکر ملا سے کہا کہ میں مسجد میں اعتکاف کرنا چاہتا ہوں۔ ملا نے کہا کہ اعتکاف تو کرو گے مگر کھاؤ گے کیا؟ انہوں نے فرمایا روزی کی فکر کیا ہاتھ میں ہے۔ ملا سے مناظرہ ہوتا رہا۔ اتنے میں امام صاحب بھی آگئے۔ جو کچھ پڑھے لکھے تھے۔ وہ بھی

اس مناظرے میں مقتدی کے ساتھ ہو گئے۔ بالآخر وہ بزرگ مسجد سے باہر آئے۔ مسجد کے نزدیک ایک ہوٹل والے
کھانا بیچتے تھے دن کا وقت تھا کچھ پیسے تھے ان کے کھانے کا انتظام ہو گیا، چنانچہ وہ مسجد میں واپس
آئے اور امام صاحب سے کہا کہ میرا انتظام ہو گیا ہے۔ امام صاحب خوش ہوئے انہوں نے کہا اچھا آپ میری مسجد
میں اعتکاف ضرور کریں۔ اس پر ان بزرگ کو غصہ آ گیا اور امام کے منہ پر تھوک کر چلے آئے کہ ایسی مسجد کے امام
کے پیچھے میں نماز نہیں پڑھ سکتا اور نہ یہاں اعتکاف کروں گا۔ جس امام کو اللہ جل شانہ کی ذات عالی پر
اعتماد نہ ہو اور ہوٹل والے پر اعتماد ہو۔

بے شک دنیا دار الاسباب ہے مگر توکل کی یہ باتیں ولیوں میں اللہ کے فضل سے ہیں، ہمارے اکابر تک کا یہ
حکم نہیں ہے بلکہ یہ فرماتے ہیں روپیہ والا مالک کو کھا جائے اور تھوڑا بہت ہاتھ مار لیا جائے حضرت
شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ الدر الثمین میں تحریر فرمایا ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ایک روحانی سوال کیا کہ توکل اور اسباب میں کیا افضل ہے؟ آپ نے ایک روحانی توجہ مجھ پر ڈالی اس کا یہ
اثر ہوا کہ دنیا کے اسباب میں سے کسی چیز سے تعلق نہ رہا حتیٰ کہ اہل و عیال کی طرف بھی التفات نہ رہا طبیعت
ہٹ گئی، گویا توکل تام کا ظہور ہوا۔ اس کے بعد دوسری بار آپ نے توجہ ڈالی تو اس کا اثر یہ ہوا کہ عالم کو
ویسے ہی دیکھا البتہ ظاہری صورت میں اسباب اختیار کرنے کا حکم آ گیا، یہ مضمون حضرت گنگوہیؒ نے بھی بیان فرمایا ہے اس
لئے میرے دوستو بہت غور سے اس کو دل میں اتارو تم حضرات کس مقصد کے لئے یہاں آئے ہو خاص
طور سے علماء کرام کو خطاب فرمایا۔ اس کے بعد کیمیا گر کا قصہ سنایا جو اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

تقدیر و تدبیر کی لڑائی

ارشاد فرمایا۔ ایک کہانی میں نے اپنے والد صاحب سے سنی تھی ایک مرتبہ تقدیر و تدبیر کی آپس میں لڑائی ہو گئی تدبیر
کہنے لگی لوگ بد تمیزی و بد سلیقگی سے کام کرتے ہیں اگر کوئی انتظام سے کھائے تو کیوں بیمار ہو۔ اور اس کے
فائدے بتائے تقدیر سنتی رہی آخر میں اس نے چیکے سے کہا چلو دیکھیں کس کی بات میں ساتھ چلتا ہوں۔ میاں جی ایک
کہانی ہے دوست ایک صاحب گھوڑا خریدنے گئے تھے وہاں ان کے ایک دوست مل گئے۔ انہوں نے کہا کہ کل
ہم گھوڑا خرید رہے ہیں گے انہوں نے کہا انشاء اللہ تو وہ کہنے لگے کہ انشاء اللہ کیا کرے گا۔ کل تو میں گھوڑا

خرید لیں گا۔ رات میں سوتے کسی نے جیب کاٹ لی دوسرے دن بازار گیا تو بہت افسوس کرتے ہوئے وہاں
سے واپس آتے کسی نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو کہنے لگے ان شاء اللہ گھوڑا خریدنے گیا تھا ان شاء اللہ جیب
کٹ گئی ان شاء اللہ گھر افسوس کرتے ہوئے واپس ہو رہا ہوں۔ بہرحال تقدیر نے کہا کہ تدبیر میں بھی ساتھ
ہوں دونوں میں مناظرہ ہوا تو تین دن کی شرط قرار پائی کہ دیکھا جائے کہ کون غالب آتی ہے ایک آدمی
لکڑی فروش تھا تدبیر ولی کی صورت میں اس کے پاس آئی اور کہا کہ تم کیوں مارے مارے پھرتے ہو میں
تمہیں ایک ہیرا دیتا ہوں اس کی قیمت کوئی بادشاہ دے سکتا ہے یا کوئی بہت بڑا جوہری اور اس سے تم کو
لاکھوں مل جائیں گے اس نے سوچا کہ پہلے نہا لوں اور کپڑے بدل لوں جب بادشاہ یا جوہری کے پاس جانا
ہوگا۔ دریا کے کنارے پر موتی اور کپڑے کو رکھ کر نہا رہا تھا کہ دریا میں جوش آیا وہ موتی اور کپڑے سب پانی
میں چلے گئے اس نے رونا چلانا شروع کیا۔ چنانچہ دوسرے دن تدبیر پھر آدمی کی صورت میں آئی اور اس
کو سونے کا ڈبہ دیا اور اس کو بہت تاکید کی کہ کل کی طرح حماقت نہ کرنا دیکھو کھونا نہیں یہ بڑا قیمتی ہار
ہے۔ مثل ہے اڑتی چیز کو گوشت لگتی ہے۔ میرے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ جس سال مجید میاں کا انتقال
ہوا اس سال میں رمضان کا اعتکاف کرنے نظام الدین گیا ۲۹ رمضان کو مغرب کی پہلی رکعت میں میں
بے ہوش ہو کر گر پڑا اٹھا ۲ دن تک خوب بخار آتا رہا اس سے پہلے میں دھوپ کی عینک بھی لگاتا تھا اور
سر پر عمامہ بھی رہتا تھا حضرت تھانوی کی اقتدا میں سردی میں کھدر کا اور گرمی میں ململ کا اتنا ہوتا تھا پھولوں
کا شوق تھا احباب کثرت سے لایا کرتے تھے میں اپنے کمرے کے دروازے میں پھول ڈال کر سر پر عمامہ باندھتا
تھا ایک دن اسی طرح عمامہ باندھ کر ابوداؤد شریف پڑھانے چلا چیل آئی اور اڑا لے گئی پھول بھی گر
گئے اور دور جا کر عمامہ بھی چھوڑا۔ بخاری شریف پڑھانے والے ایک بچے کے ہاتھ قصہ جانتے ہوں گے
بہر حال چیل آئی اور ایک جھپٹ مار کر لے اڑی۔ تیسرے دن تدبیر پھر آئی اور اس سے کہا کہ
تم بڑے نالائق ہو اور اس کو خوب زجر و تنبیہ کی اور نصیحت کر کے تھوڑے پیسے دیئے کہ اس سے تجارت کرو
چنانچہ وہ اپنے کپڑے میں باندھ کر گھر آیا معلوم ہوا کہ اس کی بیوی کسی اور کے گھر گئی ہوئی ہے اس نے جلدی سے
جو پیسے کے روپیہ ان سے نکال کر اس میں رکھ کر بیوی کی تلاش میں چلا گیا اس کو جاتے ہی روپے

چاندی کے جو کرتے تھے اتنے میں پڑوس کی ایک عورت آگ لینے آئی اور سب کچھ اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئی یہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ روپے غائب ہیں، پریشان ہوا۔

اب تو بیری کی ناکامی ظاہر ہو گئی، بیوی نے کہا کہ یہ سب کچھ چھینٹ گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے تھیلی مار کر لیا اور جانے کے لئے جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا وہاں ایک گھونسلا ملا اس میں وہ چیل والا ہار مل گیا مارے خوشی کے شور کرتے ہوئے گھر آیا، پڑوسن نے سمجھا شاید میری چوری کا حال معلوم ہو گیا اس نے لا کر روپے واپس کئے ادھر کہ کہیں پاس طرح رکھا کرتے ہیں جب مچھلی کا پیٹ پھاڑا تو اس میں موتی بھی مل گیا اس پر قدیر نے کہا کہ یہ انعام تو چھیکوں کے سبب ہوتا ہے۔

میرے دوستو! اسباب بضرورت اختیار کرو مگر مالک پر نظر رکھو دینے والا وہی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ اسباب اختیار نہ کیا جائے مگر اس کو مقصود و اصل نہ سمجھو۔

منجانب اللہ سفر حج کے انتظامات اور مدرسہ کی تنخواہ نہ لینے کا واقعہ

ارشاد فرمایا: مقصد میں جو ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے، میں نے اتنی مرتبہ کہا ہی ہے شاید ہی کسی بزرگ یا دوست کو نصیب ہوئی ہوں گی ۱۳۳۸ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری کے ساتھ سفر حج میں جانا ہوا پہلے سے کوئی ارادہ نہیں تھا عین وقت پر اللہ نے انتظام فرما دیا، میرا ہر سفر ایسا ہی ہوا ہے کہ جا رہا ہوں یا نہیں چند شعبان کو وہاں قرعہ میں نام نکل جاتا ہے۔ جس کا نام نکل دیا جاتا ہے وہ جا کر رہتا ہے۔

۱۳۴۴ھ میں میرا سفر حج کا ارادہ بالکل نہیں تھا، چونکہ حضرت سہارنپوری کا ایک سال کے لئے حجاز مقدس میں قیام کا ارادہ تھا، شعبان ۱۳۴۴ھ میں حضرت قدس سرہ نے اپنی غیبت کے لئے جو انتظامات لکھوائے تھے اس میں اس سیہ کار کو صدر مدرس بنایا اور حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب مرحوم کو ناظم مقرر، مجھے اتفاقاً اس تحریر کو دیکھنے کا موقع مل گیا بیاض سے نہیں کہہ رہا ہوں، اس کو دیکھ کر میں چکرا گیا، میرے ذہن میں یہ تھا کہ یہ میرے بس کا نہیں ہے۔ صدر مدرسی کے فرائض بہت سخت تھے، حضرت کے سفر میں بس پانچ دن باقی رہ گئے تھے۔ میں نے موقع پا کر حضرت کی خدمت میں عرض کیا، حضرت نے کیا ہو گا؟ فرمایا تمہارے بغیر تو میں لکھ نہیں سکتا اور تمہارے جانے کی کوئی صورت نہیں، میں نے

مسند مدرسی سے بچنے کے لئے عرض کیا کہ میں بھی قرض لے کر چلوں گا۔ مجھے خوب یاد ہے، حضرت کا چہرہ اس وقت خوشی سے کھل گیا حضرت نے فرمایا کہ تمہاری مدرسہ میں تنخواہ بھی کچھ جمع ہے اس کی شرح یہ ہے کہ ۱۳۵۳ھ میں جب میں ملازم ہوا تھا تو اس وقت میری تنخواہ ۱۵ روپے تھی یہ میرے ساتھ خصوصیت یعنی تھی کہ مولانا منظور احمد صاحبؒ کی ابتدائی تنخواہ چار روپے تھی۔ اس وقت بڑے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ نے میرے لئے سفارش کی کہ یہ تنخواہ کم ہے کم از کم پچیس روپے ہونی چاہئے اور مجھ سے یہ فرمایا کہ جب اللہ توفیق دے تو تنخواہ چھوڑ دیجیو۔

حضرت اقدس رائے پوری کا ارشاد پر میرا جی چاہتا تھا کہ تنخواہ لینا چھوڑ دوں مگر میرے ذمہ قرض تھا اور میرے حضرت بھی تنخواہ لیتے تھے، میرے والد صاحب نے کبھی تنخواہ نہیں لی، اس لئے اس کے چھوڑنے میں ایک طرح کی بے ادبی معلوم ہوتی تھی، اس لئے کسی مہینے میں لیتا تھا اور کسی مہینے میں ترک کر دیتا تھا حضرت نے فرمایا کہ تمہاری تنخواہ کی کیا حالت ہے، میری تنخواہ کے نو سو چالیس روپے جمع تھے اس زمانے میں حج کے اخراجات زیادہ سے زیادہ کچھ سو روپے تھے، میں نے عرض کیا کہ جس مہینے میں میں نے تنخواہ نہیں لی ہے اس میں اسی نیت سے میں نے چھوڑا ہے، حضرت نے فرمایا تم اجیر تھے اور مدرسہ مستاجر، تمہیں چھوڑنے کا کیا حق تھا، حضرت ناظم صاحب بھی وہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں ان کو سمجھا دوں گا، حضرت بہت خوش ہوئے، حضرت سے مجھے بات کرنے میں تکلف تھا مگر حضرت ناظم صاحب سے خوب مناظرہ ہوا، میں نے کہا کہ آپ اپنی طرف سے دینا چاہیں تو دے دیجئے، آپ مدرسہ کے امین ہیں، حضرت اقدس تھانوی کے سرپرستوں میں سے تھے۔ اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانہ بھون کے مفتی اعظم، میرا ان سے بے تکلفی تعلق تھی، میں نے ان سے کہا کہ جب حضرت کے یہاں مدرسہ کے کاغذات آئیں تو میری تنخواہ نامنظور کر دیجیو مگر حضرت تھانویؒ نے لکھا کہ ان کو تنخواہ ضرور ملنی چاہئے، مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی سرپرستوں میں سے تھے، انہوں نے بھی اس کی تائید کی،

حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تمہاری جمع شدہ تنخواہ مدرسہ سے لے لی ہے چنانچہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت رائے پوری کی نسبت کا اثر کچھ ایسا غالب آیا تھا کہ میں نے سب سے پہلے

کریں گے میں نے عرض کیا، حرم کی ایک تھالی ایک لاکھ تھالیوں کے برابر ہے۔ یہاں کے مرغے کا کھانا ایک مرغ سے کہیں زیادہ ہو سکتا، فرمایا اچھا ہم ادا کر لیں گے۔ چنانچہ واپسی کے سفر میں ان خدام سے جو ساتھ آئے تھے مزاحاً فرماتے ہیں کہ شیخ کے ایک لاکھ کے مرغ میرے ذمے ہیں، مجھے کھانا ادا کرنا ہے چنانچہ ہر جگہ کثرت سے مرغ پک پک کر آتے تھے۔ یہاں سے جدہ مرغ کھانے کی ابتداء کی اور خوب کھایا۔ اب تو ہم کھانے کے قابل نہ رہے۔

اضافہ: گذشتہ سفر حجاز مقدس میں حضرت اقدس مدظلہم کی خصوصی مجلس عشاء کے بعد ہوتی تھی اس وقت حضرت اقدس کبھی کسی چیز کو تناول فرماتے یا بطور تفکہ کے کوئی چیز چکھ لیتے تھے۔ بفضلہ تعالیٰ بیسیوں قسم کی چیزیں اکٹھا ہو جاتیں جو لوگوں میں تقسیم ہو جاتیں یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت اقدس مدظلہم کے شام کے وقت کھانا کھانے کا معمول نہیں ہے۔ اس موقع پر ایک صاحب نے فرمایا کہ ہم نے بہت سے بزرگ دیکھے ہیں مگر یہ کہیں نہیں دیکھا کہ نقل چاروں طرف سے آتا ہو اور جو حضرت اقدس مدظلہم کی وفات کے بعد چند مخلصین نے حضرت کی یاد میں اس مجلس کو باقی رکھنے کا فیصلہ کیا۔ صرف چند روز تک لوگ اپنے اپنے گھروں سے کھانے کی چیزیں لاتے اور ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے پھر یہ دیکھا کہ اپنا اپنا کھانا لانا اور ساتھ بیٹھ کر کھانا اگر صرف یہی ہے تو اس سے بہتر اپنے گھروں پر ہی کھا لینا ہے مجلس ختم کر دی گئی۔

روزی انسان کو تلاش کرتی ہے

ارشاد فرمایا: میں نے خوب سنا ہے کہ دنیا سے جس قدر کوئی بھاگے گا اسی قدر وہ آتی ہے اور جس قدر قریب جائے گا اسی قدر دور بھاگتی ہے۔ یہ میرا تجربہ کامل ہے

حضرت مفتی محمود صاحب نے عرض کیا حضرت دنیا کو دین بنا کر حاصل کیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

اس کے بعد ایک قصہ سنایا کہ میرے والد صاحب کے پاس کئی خادم رہتے تھے۔ اب تو طلباء کرام خدا کو پہنچ گئے۔ بھائی سعید صاحب گنگوہی کے یہاں بھی کئی خادم رہا کرتے تھے ایک مرتبہ میں دیوبند گیا جب تو وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ خادم کہاں گئے۔ تو انہوں نے کہا کہ اب نہیں ہیں۔ پہلے زمانے میں طلباء اساتذہ کی خدمت کو کار ثواب سمجھتے تھے۔ تو دوڑ دوڑ کے پھرتے تھے تقسیم سے پہلے یہاں پشاک

طالب علم حضرت سے آ کر ملتے تھے۔ وہ قریب کی مسجد بھاولان میں ٹھہرا کرتے تھے۔ میرے والد صاحب ایک دفعہ گرمی کے موسم میں کنویں کے قریب بیٹھے ہوئے غسل کر رہے تھے۔ ایک طالب علم کنویں سے پانی کے ڈول نکال نکال کر ڈال رہے تھے ایک وکیل صاحب اتفاقاً وہاں آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت جی یہ اسراف نہیں؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں، ہم مولویوں کے لئے اسراف نہیں ہے اور تمہارے لئے ہے۔ مولوی دین کو دین بنا کر کام کرتا ہے۔ یہ غسل ٹھنڈک کا تھا۔ اگر غسل مسنون ہوتا تو تین ہی مرتبہ پانی ڈالتے۔ بس فرق کو وکیل صاحب نہیں جانتے تھے۔

میں نے جو کچھ کہا کہ دنیا سے جو جس قدر بھاگے گا اسی قدر وہ پیچھے آئے گی۔ اس پر طالب علمانہ اشکال و جواب نہیں آتا ہے۔ میرے مقدر میں لا قصہ بتایا تھا۔ آدمی کے مقدر میں جو کچھ ہو گا وہ مل کر رہے گا۔ اور مقدر واضح بہ مجبوری ہوتی ہے پھر ہم دنیا کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بھیک مانگیں تو ملے گا ورنہ نہیں ملے گا۔

حضرت مولانا نانوتوی کا قصہ ہے حضرت دارالعلوم میں تشریف فرما تھے ایک صاحب میرٹھ سے آئے اور حضرت کی خدمت میں اس زمانے کے دو سو روپے پیش کرنے چاہے۔ حضرت نے انکار کر دیا وہ خوشامد کرتے رہے اور عرض کیا کہ حضرت طلباء میں بانٹ دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم خود کیوں نہیں بانٹ دیتے مجھے یہ معلوم نہیں تھا۔ وہ خوشامد کرتے رہے جب مجلس سے اٹھے تو وہ روپے حضرت کے جوتوں میں ٹھونسے ہوئے تھے۔ حضرت نے اسے چھینک دیا۔ بھائی دنیا سے جو پیسہ آتا ہے وہ جوتوں میں آ کر گرتا ہے ہمارے اکابر اور مولوی یوسف میں یہ بات تھی۔

مولانا محمد یوسف صاحب کے استغناء کا ایک قصہ

ابا جان کے زمانے میں اور ان کے انتقال کے بعد بھی تبلیغ والوں میں ماہ رمضان میں اعتکاف کیا کرتا تھا۔ اور لوگ بھی اعتکاف کیا کرتے تھے۔ ایک رمضان میں غربی جانب میرا اعتکاف تھا۔ اور مشرقی جانب مولوی یوسف صاحب کا۔ حاجی وجیہ الدین صاحب میرٹھ کے ایک بڑے تاجر تھے۔ دلی میں بھی ان کا ایک مکان تھا۔ ان سے ہم لوگوں کے خاندانی تعلقات تھے۔ وہ مسجد میں آئے اور مولوی یوسف کو کچھ پیش

آئے۔ اللہ کی شان اس دن دسترخوان پہ کھانا خوب آیا تھا کہیں جو لیہ تھا وہاں سے پلاؤ وغیرہ بھی آگیا تھا۔ میں نے کہا کہ کھانا کھائیے کہا کھانا اچھا ہے تو کہنے لگے کہ آپ کے کھانے کو دیکھ کر ایک بات عرض کرنی ہے کسی نے میری جیب کتر لی کرایہ کے لئے تیس روپیہ کی ضرورت ہے میں ملتان کو پہنچ کر بھیج دوں گا۔ انہوں نے جا کر تیس روپیہ کی بجائے تین سو روپئے بذریعہ بینک بھیجے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اتنا مقصود نہیں تھا۔ بہرحال اصرار کے بعد میں نے قبول کر لیا اس کے بعد مجھ سے تعلقات ہو گئے انہوں نے ایک وقت سوا لاکھ کا دیا جو مظاہر علوم تبلیغ اور جمعیت علماء کے لئے کیا تھا۔ مدرسہ والوں نے ان کا خوب شکریہ ادا کیا اور مولوی یوسف نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں آپ کا وقت چاہتا ہوں۔ انہوں نے میرے ذریعہ مولوی یوسف سے سفارش کرانی چاہی۔ میں نے کہا کہ میں حکم نہیں دے سکتا مشورہ دے دوں گا کہ قبول کر لیں بہتر ہے۔ جب میں مولوی صاحب سے کہا تو انہوں نے کہا کہ طبیعت نہیں چاہتی ہے لیکن آپ کا حکم۔ میں نے کہا کہ تمہاری طبیعت کے خلاف میں حکم نہیں دے سکتا۔ ان کے واپس کرنے کے بعد حاجی صاحب نے کوشش کی کہ یہ رقم جمع کر لی جائے۔ اتفاق میرا دلی جانا ہوا وہاں ان سے ملاقات ہو گئی وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے کہا کہ مجھے بھی خوشی ہوتی ہے کہ یہاں کی شوریٰ نے فیصلہ کیا تھا کہ ایک وفد آپ کی خدمت میں شکریہ کے لئے جائے۔ اس میں میں بھی شرکت کروں۔ لیکن اچھا ہوا کہ آپ سے یہیں پر ملاقات ہو گئی۔

داد و ری ہدایت خیرات

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کو قرآن چاہیے راستے چلتے تو اثر دیتے ہیں۔ فضائل صدقات میں ایک قصہ لکھ دیا ہوں۔

ڈاکوؤں کی ایک جماعت کہیں جا رہی تھی راستہ میں دیکھا کہ دو درخت ہیں ایک کھجور کا سرسبز درخت ہے اور دوسرا کیکر کا خشک۔ ایک بلبل بار بار کھجور کے درخت سے اس کا دانہ چونچ میں لے کر درخت پر جا رہا تھا۔ ڈاکوؤں کے سردار کو اس پر بڑا تعجب ہوا دیکھا تو کیکر کے درخت پر ایک اندھا سانپ منہ کھولے ہوئے ہے وہ بلبل دانہ لا کر اس کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔ اس نے غور کیا کہ ایک اندھا سانپ کی روزی کا اللہ جل شانہ نے یہ انتظام فرمایا ہے تو کیا وہ ہمارے لئے نہ کرے گا۔ یہ واقعہ اس کی ہدایت کا باعث بن گیا۔ اس سے وہ تائب اور اس کے ساتھیوں نے توبہ کی اور لوگوں کا سامان وغیرہ سب واپس کر دیئے۔ یا لوگ کے ... ملنے پر خیرات

دوستوں نے کوشش کی مولوی انعام نے اعتکاف میں سنا تھا ایک نے ۲۰ اور بعض لوگوں نے سات سات ختم کئے اب ہم لوگ کمزور ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکتے۔ باقی جہاں تک ہو سکے کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

میری والدہ حاجی عبد اللطیف صاحب اپنی ذکر الٰہی کے ساتھ رمضان المبارک میں چالیس پارہ ختم کرنے کا معمول تھا۔ تذکرۃ الخلیل میں ان کے حالات مذکور ہیں، حالانکہ ہمارے خاندان میں یہ عام تھیں ... کرنے کے لئے جہیز ہوتی تھی۔ اگر فکر لگ جائے اور موت کا استحضار ہو تو سب آسان ہے۔

حفظ قرآن : دستور کے مطابق ماہ مبارک میں کئی آدمیوں نے حضرت کے سامنے حفظ قرآن کی نیت سے قرآن مجید کا آغاز کیا اور دعا کی درخواست کی، دعا کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا یہ نہ صرف محنت سے ہوتا ہے اور نہ کوشش سے، بلکہ دعا مانگنے سے یہ دولت ملتی ہے۔ فضائل قرآن میں ایک عجیب عمل اس کا بتایا گیا ہے جس کو خصوصیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بتایا تھا کہ اس پر عمل کرنے والوں کی کثرت سے خطوط آئے کہ اس کی برکت سے قرآن حفظ ہو گیا۔ مولانا امیر محمد صاحب نے اپنا قصہ خود سنایا کہ وہ یہاں شاخ میں مدرس تھے آٹھ دس سورتیں تھوڑا یاد تھے انہوں نے بتایا کہ تجربہ کرنے کے لئے میں نے اس پر عمل کیا۔ صبح کو آدھ پون گھنٹہ مدرسہ جاتے ہوئے راستے میں یاد کرتے تھے اور اسی طرح دوپہر کو عصر کے بعد تفریح میں یاد کرتے تھے بقیہ اوقات میں گنجائش نہیں تھی اسی طرح مدرسی کرتے ہوئے چھ ماہ میں پورا قرآن حفظ ہو گیا۔ ان کے چھوٹے بھائی دورہ حدیث پڑھتے تھے میں نے ان کو رغبت دلائی چنانچہ اس نے دورہ پڑھتے پڑھتے یاد کر لیا۔

ہمارے بزرگان کاندھلہ میں میرے بچپن میں موذن کے سوا سب حافظ تھے لوگ کہا کرتے تھے اور ملا تونے روک رکھا ہے اگر تو نہ ہوتا تو ساری مسجد کے لوگ حافظ ہوتے۔

اپنے مشائخ کیلئے ایصال ثواب کی خصوصی تاکید : ارشاد فرمایا اکابر کے لئے ایصال ثواب ضرور کیا کرو اس سے ان کی ارواح متوجہ ہوتی ہیں اور ان کے فیوض و برکات ملتے ہیں۔ بھائی عبد الرحمٰن صاحب نومسلم جیسے تاباں کے ضلع میں اسلام لائے تھے ان کی بیعت کی خصوصیات ہیں رجسٹر میں ... اس میں مذکور ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص

مولانا فرماتے تھے کہ ان کے والد صاحب سے آخری ملاقات تھی ایک مرتبہ وطن میں ایک تاشقند والے کے پاس گئے
اس نے کہا کہ میری کافی دیر سے جگہ نہیں ہے، بہرحال بہت عجیب سے کہ بعد تاشقند والے نے بتلایا اللہ کی شان
دلی سے نکلا جہاں میں پہنچ کر وہ مسلمان ہو گیا انہوں نے میرے چچا جانؒ کے انتقال پر ایک معمول یہ بنایا تھا
سورۂ یٰسین پڑھ کر اور دو رکعت نفل پڑھ کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے ایک روز خواب میں دیکھا کہ چچا جانؒ
نے فرمایا کہ میرے اکابر کو بھی دیتے ہو مجھے اس سے شرم آتی ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ اکابر کے لئے بھی ایصال ثواب کا خصوصی
اہتمام کرنا چاہئے تاکہ ان کے سامنے سرخروئی ہو سکے۔

ہمارے اکابر کے یہاں اتقا ہے

ارشاد فرمایا ہمارے بزرگوں میں امیر خان تھے
امیر الروایات میں وہ حج پر گئے وہاں ایک نقشبندی بزرگ سے بہت متاثر ہوئے ایک مرتبہ انہوں نے
فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جب امیر خان واپس
آئے تو گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت اقدس گنگوہیؒ کی زیارت و ملاقات ہوئی حضرتؒ کو یہ قصہ سنایا مگر حضرتؒ
نے کوئی توجہ نہیں کی، تو انہوں نے سب باتیں عرض کیا حضرت اقدس گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ستر دس سال
پہلے تک تو میں حضرت حاجی صاحبؒ سے رجوع کرتا تھا کیونکہ مشرقی تھے استعانت کیا کرتا تھا اور اس کے بعد
براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرتا ہوں۔ یہ جو تم نے سنایا وہ اکابر نقشبندیہ کے
حال میں سے ہے تب تھے ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا یہ نتیجہ ہے محبت و تعلق کی برکت ہے یہ سب ہو سکتا ہے
ہمارے اکابر زیادہ عمل کر کے بھی احتیاط برتتے ہیں۔

اکابر کی دعا کے ساتھ حرکت کی ضرورت ہے

ارشاد فرمایا بعض لوگوں کے منہ سے کوئی بات نکل جاتی
ہے وہ اکثر اثر کرتی ہے مگر ہر وقت نہیں۔ اس کے خاص
خاص مواقع ہوتے ہیں یہ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضورؐ کے لئے وضو کا پانی رکھا اس
پر آپ خوش ہوئے اور دعا دی اور فرمایا: اعنی علی ذلک بکثرۃ السجود۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ
کے پاس ایک شخص بیمار کے لئے تعویذ مانگنے آیا۔ تو حضرتؒ نے فرمایا تعویذ تو ہے مگر کچھ کرانا بھی ہوگا
کی ضرورت ہے اسی دعا الغیر عمل کے کام نہیں کر سکتی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ...

کے لئے ان کو ان مانگے والا ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر ذرا سی حرکت آدمی اللہ کے لئے کرے گا۔ تو ادھر سے بہت کچھ ملے گا۔

ارشاد فرمایا۔ آہ یہی کیا کرو حضرت والی صاحب کا شعر ہے۔

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے | اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے | رفقائی رہنماں!

ایک تاجر کا کارنامہ

ارشاد فرمایا۔ دلّی میں ایک بزرگ حافظ محمد اسمٰعیل تھے وہ بڑے تاجر تھے۔ ان کی کئی دکانیں تھیں۔ کئی کارخانے تھے۔ اللہ کی دین جس کو چاہیں دیں۔ ان کا یہ بھی احسان ہے انہوں نے ایک مل سو لاکھ روپے میں خرید لیا اور ادارہ خدمت و تعمیر کے مدرسے میں خط لکھا کہ یہ مل غرباء کے لئے خریدا ہے۔ ان کے لئے سو روپے کا حصہ رکھا ہے تاکہ ان کی تنخواہ کی کمی پوری ہو جائے۔ چنانچہ جامعہ مدرسہ میں مدرسین نے دس دس، پانچ پانچ حصے خرید لئے۔ ان تاجروں کا جس طرف رخ ہو جاتا ہے طبیعت خوب چلتی ہے۔ اس مل میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ ملازم نے بھی حصہ لیا۔ پھر چھ مہینے کے بعد اس مل کو توڑ دیا۔ سترہ جس کے تھے اس کے دو دو سو ہو گئے۔ ان کے چار لڑکے تھے انہوں نے آخر زندگی ہی میں اپنی ملکیت ان چاروں میں تقسیم کر دی تھی اور کچھ حصہ اپنے پاس رکھا تھا انہوں نے اپنے مکان کے سامنے ایک مکتب قائم کیا تھا۔ میرا بھی چچا میاں کے ساتھ اور تنہا بھی ان کے یہاں کثرت سے جانا ہوا ہے۔ خوب یاد ہے۔ چند برس میں اس مکتب سے تقریباً سو حافظ نکلے۔ وہ خود بھی قرآن سنا کرتے تھے۔ ایک لڑکی تک کو حافظ کر دیا تھا۔ اللہ جل شانہٗ جس کو دینا چاہے دیتا ہے

اصل علاج روح کا ہے

ارشاد فرمایا۔ اس وقت ڈاکٹر غلام کریم صاحب علاج کے بہت شوقین ہیں۔ اس وقت میں ان سے کہہ رہا تھا کہ بہت بیمار تھیں دیکھا اور دعا دی تھا۔ آپ ڈاکٹروں کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ حضرت ہو اگر کوئی روٹی نہ کھائے تو کہتے ہیں کہ ضعف آگیا ہے ہم لوگوں کو فکر ہوتی ہے خیر ہو جانا چاہیئے۔ ہونا چاہیے۔ ادائے اعمال اور نوافل روح کی غذا ہیں۔ مگر ان کے چھوٹنے پر افسوس نہیں ہوتا حالانکہ اصل روح ہے۔ روح کے ضعف کی فکر نہیں ہوتی اور جسم کی فکر

ہوتی ہے اور روح اصل ہے اسی سے جسم کا قوام ہے۔ روح میں اگر قوت ہے تو سب کچھ ہے میرے چچا جانؒ کو دل کے مشہور ڈاکٹر نے دیکھا اور بہت سے آلات لگا کر دیکھا اور کہا کہ یہ زندہ کس طرح ہیں جسم میں قوت نہیں ہے، صرف روح کی طاقت سے زندہ ہیں، ہمارے شہر کے مشہور ڈاکٹر ڈاکٹر برکت مرحوم حضرت مدنیؒ کو دیکھنے جاتے تھے ان کے ساتھ میں بھی جایا کرتا تھا۔ انہوں نے کئی دفعہ مجھ سے کہا کہ میں نے بہت سے آلات کے ذریعے حضرتؒ کا اچھی طرح معائنہ کیا طبی اصول سے ان کو زندہ نہیں رہنا چاہیئے ان کے معدہ اور جگر وغیرہ نے جواب دے دیا ہے۔ البتہ دل بہت قوی ہے اس میں ضعف نہیں ہے اس لئے روح کو تعلق رہتی ہے چنانچہ انتقال ہوتے ہوتے ہو گیا۔ حضرت کو دل کی بیماری بتائی گئی تھی اس لئے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ تیمم کر لیں اور بیٹھ کر نماز پڑھیں، مگر ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی کبھی تیمم کر لیتے اور کبھی وضو میرے چچا جانؒ نے تو آخر تک وضو سے نماز پڑھی، میرے چچا جانؒ نے انتقال کے وقت آخر رات میں فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ خوب غسل کروں، اچھے کپڑے پہنوں اور خوشبو لگاؤں، یہ بھی فرمایا تھا کہ آج میری آخری رات ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اچھی طرح رہوں۔"

ارشاد فرمایا، ایک جرنیل تھے، ان کی عصر کی جماعت فوت ہو گئی جس سے رنج و غم میں دیر تک بیٹھے رہے، فرمانے لگے کہ مجھے کسی کی کوئی مدد   ہے اگر میرے لڑکے کا انتقال ہو جاتا تو بہت لوگ میرے یہاں تعزیت کے لئے آتے، اس نماز کی جماعت چھوٹ جانے پر کوئی تعزیت کے لئے نہیں آتا۔"

میرے دوستو! خوب کر لو دنیا و آخرت دونوں جگہ کام آئے گا۔ روح میں اگر قوت ہو تو بیماری وغیرہ سب پر تسلی ہو جاتی ہے اور اگر اس میں ضعف ہے تو مشکل ہے۔ اگر اللہ جل شانہٗ کی ذات پر اعتماد اور توکل پیدا ہو جائے یہ صرف زبان پر نہیں بلکہ دل میں اتر جائے تو ڈاکٹر و طبیب کی چنداں ضرورت نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تبوک کے موقع پر اپنا سارا اثاثہ لے کر حاضر ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آدھا مال لائے، دونوں کا مال آپؐ نے قبول فرمایا۔ ایک اور صاحب سونے کا ایک ڈلا لے کر آئے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپؐ نے رخ مبارک پھیر لیا دوسری طرف آگئے، پھر آپؐ نے رخ

مبارک پھیر لیا پھر تیسری طرف آئے راوی بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے وہ ڈھیلا کھینچ کر پھینک دیا اگر لگ جاتا تو زخمی کر دیتا۔

حضرت شیخینؓ توکل کے مقام پر تھے اس لئے آپ نے قبول فرمایا۔ اور یہ صاحب اس درجہ پر نہیں تھے اس لئے آپ نے واپس فرما دیا۔

دنیا مسافر خانہ ہے

حضرت اقدس مدظلہم کی طبیعت ناساز تھی۔ ڈاکٹر غلام کریم صاحب پابندی سے دوا تجویز کرتے تھے فرمایا کہ دور معالجین کے بعد حکیموں کی بجائے حضرت قدس سرہ تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ مریض کے بدن پر عمل کرنے سے قوت نہیں آتی۔ اس کا ایک تماشہ ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی تھکا ہوا مسافر کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے ٹھہر جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال۔ اس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا۔

ارشاد فرمایا۔ ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے۔ کسی غیر ملک میں یا مرنے والے کے لئے دشواری ہے وہ پیسے نہیں لے جا سکتا یہی حال عالم آخرت کا ہے۔ البتہ عالم آخرت کے لئے پیشگی بھیجنا آسان ہے۔ وہاں جو عمل کر کے بھیجو گے اس کے لاکھوں اور اس سے زائد ملیں گے

ارشاد فرمایا۔ میرے مرنے کے بعد میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا نہ بھائی نہ بیوی نہ دوست کوئی اور شاید ہی کوئی تمہارے لئے ایصال ثواب کرے۔ اس لئے زندگی کو غنیمت سمجھو اور بھیجتے رہو۔

ایک غیبی امداد

٢٦ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ کو ڈاکٹر عبدالمنان صاحب مرحوم جن کو تین مرتبہ قلبی دورہ پڑ چکا تھا۔ انہیں ان کے وطن پٹنہ بھیجنا تھا۔ اسٹیشن بھیجنے کے لئے کار کی ضرورت تھی۔ حضرت نے مولوی نصیر صاحب سے کار کے لئے کہا تھا۔ انہوں نے شہر میں تین چار جگہ آدمی بھیجے تھے اتنے میں مراد آباد کے کچھ لوگ کار سے آگئے حضرت نے مولوی نصیر سے کار کے لئے

نماز کے اوقات کے اسرار

ارشاد فرمایا۔ اللہ جل جلالہ کی حکمتوں اور احکام کے اسرار تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے۔ ہر کام میں جتنی حکمتیں پنہاں ہیں وہاں تک عقل و ذہن نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن بعض احکام کی حکمتیں آشکارا ہوتی جا رہی ہیں۔ جن احکام کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آتیں ان کو حضرات تعبدی کہتے ہیں۔

نماز کے اوقات میں ایک خلجان ہے۔ کہ صبح کی اور ظہر کی نماز میں ایک طویل فاصلہ ہے اس کے بعد مسلسل چار نمازوں کے اوقات ہیں۔ یہ عدم تناسب ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ کبھی اس طرف توجہ نہیں گئی کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ ہمارے حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک رسالہ المصالح العقلیۃ فی المسائل مکمل ہے اس میں۔ جن کی دو توجیہیں لکھی ہیں۔ اس کی ایک توجیہ مجھے پسند آئی۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کو بھی بہت پسند تھی۔

حضرت نے فرمایا اس میں انسانی زندگی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔ صبح کی نماز اس دنیا میں انسان کی پیدائش کا نمونہ ہے۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ سو کر بیدار ہوتے ہی یہ دعا پڑھنی چاہیے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔ اور اس کے بعد کا زمانہ بچپن و عنفوان شباب کا زمانہ ہے زوال کے بعد ظہر کی نماز رکھی گئی ہے گویا اس میں انسان کی کہولت کی طرف اشارہ ہے۔ آدمی کو ڈھلتی دی جاتی ہے کہ عمر ختم ہو رہی ہے۔ بعد عصر کی نماز گویا اس کا الارم ہے کہ بڑھاپا آ گیا۔ قبر کی فکر کرو۔ غروب آفتاب موت کی خبر دیتا ہے موت کو یاد کرنے کے لئے مغرب کی نماز فرض کی گئی۔ اور عشاء کی نماز غروب شفق کے بعد پڑھی جائے گی گویا مرنے کے بعد کچھ ذکر و تذکرہ انسان کا باقی رہتا ہے۔ اس میں مشابہت ہے شفق سے، پھر دنیا اس کو بھلا دیتی ہے کہ کون تھا۔ اس کو یاد دلانے کے لئے عشاء کی نماز فرض کی گئی کہ نام و نشان مٹ جائے گا۔

اضافہ:

مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے — زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

حضرت مدنیؒ نے ایک توجیہ اور کی ہے۔ اس پر میں نے حاشیہ لگا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون
اس آیت کریمہ میں حصر ہے کہ انسان کی پیدائش کا بس ایک ہی مقصد عبادت ہے۔ حق تعالیٰ نے
انسان پر بے شمار احسانات و انعامات کئے ہیں اور مسلسل ان کی بارش ہو رہی ہے! اعضاء انسانی پر ایسے
انعامات ہیں کہ ان کا احصاء نہیں ہو سکتا۔ غور کرو اگر تمہاری آنکھیں نہ ہوں تو تم میت کی مانند نظر
آؤ گے اگر کان کی سماعت زائل ہو جائے تو دنیا کی آوازوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ اگر ہاتھ
کی انگلیاں کٹ جائیں تو تم ایک لقمہ تک نہیں اٹھا سکتے۔ اسی لئے قرآن نے کہا ہے "وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا"
حضرت سید رنیکی قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔ نعمت کو واحد استعمال کیا گیا ہے۔ جب ایک نعمت کا
احصاء ممکن نہیں تو دوسرے انعامات بے شمار ہیں ان کا احصاء کیونکر ممکن ہوگا؟ آدمی جب کسی کو نوکر
رکھتا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہاری ہر وقت فرمانبرداری کرے۔ جب اللہ تعالیٰ کے احسانات
کا تقاضا تھا کہ ہم ہر وقت عبادت میں مشغول رہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم پر صرف چند
اوقات کی نماز یہ فرض کی ہے گویا ہمارے اوقات کو تقسیم کر رکھا ہے۔ آدھا اپنے لئے اور آدھا ہمارے لئے
یہ بھی ہو سکتا تھا کہ رات عبادت کے لئے مقرر کی جاتی اور دن کام کے لئے۔ مگر اس میں ہمارے لئے دشواری
تھی کیونکہ بیت کی ضروریات ہماری رات سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس کرنے میں بھی ہمارے
لئے دشواری تھی۔ اللہ جل شانہٗ نے عطا میں آدھا اپنے لئے رکھا۔ صبح سے ظہر تک کام کے لئے اور ظہر سے
مسلسل چار اوقات کی نماز جیسا کہ صاحب فوائد الفواد نے لکھا ہے کہ عزیمت یہ ہے کہ پورا وقت نماز
میں صرف کیا جائے مگر مالک نے کرم فرمایا صرف چند رکعتوں کو پورا شمار کر لیا۔ اس کے بعد فوائد الفواد میں
حضورؐ نے تخفیف کو مستحسن قرار دیا۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنایا اور دن کو مشغولیت کے
لئے۔ رات میں سونا ضروری ہے خواہ تھوڑا ہی ہو۔ وہ کفایت کرتا ہے۔ برخلاف دن کے سونے کے۔ اسی
لئے عشاء کا وقت مستحب نصف لیل تک ہے۔ اس کے بعد مکروہ ہے کیونکہ آرام کا وقت ہے۔ اس کے
بعد ایک فضا پیدا کیا گیا کہ جب کے صحیفہ میں جس کو روزانہ صبح و شام فرشتے خدا کی بارگاہ میں پیش
کرتا ہے عبادت ہو تو مالک کے کرم سے امید ہے کہ اس کو معاف فرما دیں گے۔ اسی لئے مغرب

کے مقابلہ میں فجر کی نماز رکھی گئی اور تسبیح و تحمید و تہلیلات کا پڑھنا مسنون ہے سونے وقت کی دعا بتائی گئی کہ پڑھ کر چپکے سے سو جائیں تاکہ سینہ کے دونوں حصے میں عبادت آجائے۔ اس سبب سے ظہر میں تعجیل اگر گرمی کا موسم ہو تو ابراد افضل ہے۔ اور عصر میں تاخیر افضل ہے کہ صحیفہ کے دونوں طرف عبادت میں آجائے اور درمیان کے حصے کو وہ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمالیں۔

بہر حال نماز کے اوقات میں اللہ کے اس عادت کے مناسب یہی تھا کہ پورے وقت میں نماز ادا کی جاتی مگر ہماری سہولت کے پیش نظر یہ کر دیا گیا کہ چند رکعتیں جو مختصر ہیں اگر ٹھیک طریقہ سے پڑھ لی جائیں تو مالک قبول کرے گا۔ اس کے علاوہ نوافل کو رکھ دیا گیا کہ اگر کوئی عزیمت پر عمل کرنا چاہے، تو پڑھ لیا کرے۔ تہجد، اوابین، چاشت و اشراق کی نمازیں اسی قبیل سے ہیں۔ میرے ذہن میں اوقات کی تقسیم یہ ہے۔ ۸ گھنٹے تو سونے اور کھانے وغیرہ کے لئے اور آٹھ گھنٹے عبادت کے لئے اور آٹھ گھنٹے ملازمت و دیگر ضروریات کے لئے۔

حضرت صاحبؒ کے ایک مرید کا واقعہ ہے کہ ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے۔ وہ سادے آدمی تھے مگر نماز کی حلاوت سے بہرہ ور تھے۔ انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب! بتاؤ تو سہی جنت میں بھی نماز ہوگی؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ پھر ایسی جنت کو لے کر میں کیا کروں گا۔ ایک بزرگ کی خواہش تھی کہ قبر میں مجھے تلاوت کا موقع ملے، چنانچہ ان کی قبر سے تلاوت کی آواز سنی گئی۔

فکر آخرت

ارشاد فرمایا: "حسن الفتکم فی الورق" یہ تفسیر تو مریدوں میں مشہور کر دیں تو قصہ تمام ہو جائے تو بہر حال آسان ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے جب انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا سب کچھ مال بانٹ دیا۔ لوگوں نے کہا کہ اپنے بچوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ تو فرمایا: اگر میری اولاد صالح ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وہو یتولی الصالحین" اللہ تعالیٰ مومنین کا کارساز ہے اور اگر غیر صالح ہے تو ان پر پیسے کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

ارشاد فرمایا۔ ہمارا دل لگانے کے لئے یہیں وقت کہیں نہیں ملتا۔ جب کہ یہ چیزیں کام آنے والی ہیں سب کو معلوم ہے کہ زندگی بہت تھوڑی ہے۔ جیسے خواب کہ اس میں بہت سی چیزیں ہم دیکھتے ہیں۔ مشغول ہو کر کھلتی ہے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر اس زندگی میں اچھے اعمال نہیں کئے گئے تو پھر ملال باقی رہ جائے گا

ارشاد فرمایا: مدرسہ کا کوئی طالب علم جب انتقال کرتا تھا تو اس کی جوانی میں بھی خود اس کو نہلاتا تھا
اور مفتی سعید صاحب مرحوم میرے رفیق ہوتے تھے موت کو کثرت سے یاد کریں کیونکہ یہ لذتوں کو توڑنے والی
ہے جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے اگر کوئی ہنستا ہے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے مولانا شبیر علی صاحب تھانوی
کی اہلیہ کے انتقال کی خبر پر ایصال ثواب کی طرف توجہ دلائی مجلس کے بعد ہم نے یہ صورت پائی ہے

حضرت ولی اللہ صاحبؒ کے والد صاحبؒ کا واقعہ

ارشاد فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور سب کا نام کا
فاتحہ حقیقی تھا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے القول الجلی
میں لکھا ہے کہ میرے والد صاحب نے اپنے ابتدائی دور میں ایک جگہ پر رقعہ لکھنے کا ارادہ کیا، جس
انہیں اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے تردد ہوا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے
آپ کی خواب میں زیارت ہوئی تو آپ نے ایک روشن عبارت فرمائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا
"الصلوٰۃ مشترکۃ" میں نے ان کے سامنے اس کو پیش کیا۔ انہوں نے بھی اس میں سے ایک ٹکڑا توڑ لیا۔ پھر حضرت عثمانؓ
نے فرمایا: الصلاۃ مشترکۃ میں نے عرض کیا۔ اگر اس طرح میں تقسیم کرتا رہا تو اس فقیر کے لئے کیا باقی رہے گی؟ انفاس
العارفین میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ سے سلسلہ سلوک ملتا تھا اور حضرت عمرؓ سے
سلسلہ نسب اس لئے میں مرعوب ہو گیا اور حضرت عثمانؓ سے ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں تھی اس
لئے میں نے عرض کیا۔

آداب کی رعایت

ارشاد فرمایا: میرے مدرسہ متعلقہ آداب و مستحبات کی رعایت ضروری ہے
مشہور حدیث ہے من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر جس نے قصداً نماز کو ترک کر دیا اس نے کفر کا ارتکاب کیا صفوں
کی درستگی کے بارے میں حدیث میں آیا ہے "لا تختلفوا فتختلف قلوبکم" تم صفوں میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے
دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا ظاہر ہے کہ اختلاف کا اثر باطن پر پڑتا ہے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ
نے فرمایا ہے جو ادب سے تہاون کرتا ہے کسی ایک ادب کو بیماری یا مشغولی کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے یک تہاون
کی بنا پر چھوڑتا ہے۔ سالکین کے لئے ادب کی رعایت عمل کے اعتبار سے واجب کے درجے میں ہے۔ بہرحال
حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی تہاون کی وجہ سے ادب کو چھوڑتا ہے ان

گیارہواں سال تھا اس سال رمضان المبارک کی اجتماع میں گذشتہ سال کے مقابل میں مجمع کم رہا البتہ آخر عشرہ میں یہ تعداد تقریباً پانچ سو پہنچ گئی تھی۔

بہر حال پچھلی طرح اس سال کے رمضان المبارک کے دینی معمولات تھے البتہ مغرب کی نماز کے بعد کی مجلس میں حضرت اقدس کے ضعف و نقاہت کے سبب ملفوظات کا سلسلہ بہت کم رہا۔ ابتداء میں سکوت کی مجلس رہی اس کے بعد کبھی کچھ موقع کی مناسبت سے ارشاد فرمایا پھر اس مجلس میں بھی کتاب سنانے کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ عید کے چاند میں شوال کی تاریخ پڑ جانے کی وجہ سے شام کو اس کا ثبوت شرعی معلوم ہو سکا۔ عید جمعہ کے روز ہوئی۔

قابلِ رشک موت ارشاد فرمایا اپنی زندگی کے اوقات کی قدر و قیمت پہچاننی چاہیئے مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کے وعظ کے دو شعر بہت مشہور تھے شاید ہی کوئی وعظ ایسا ہوتا ہو جس میں وہ ان کو نہ پڑھتے ہوں۔ پھر حضرت اقدس نے ان اشعار کو بہت درد سے متعدد بار پڑھا۔

زندگانی تو جینا گئی معلوم نہیں — تو کیا کیا کرے گی اری وہ دن کے دن
شوق کے ہاتھ سے پیا کس گھڑی — گھڑی مت سے گی اری وہ دن کیسے

فرمایا بھائی معلوم نہیں کب وقت آ جاتا ہے۔ بھائی اکرام الدین کے والد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی موت بے شک قابلِ رشک ہے حالت سجدہ میں جان اپنے رب کے سپرد کر گئی۔ یہی حال مولانا ہارون کا ہوا تھا کہ سجدے ہی میں سب کی روح پرواز کر گئی۔

تبلیغی جماعت کی ضرورت ارشاد فرمایا اللہ جل شانہ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ جیسا مرض پھیلتا ہے تو حق تعالیٰ اس مرض کے موافق کوئی دوا آمادہ کر دیتے ہیں۔ جب سے تقریباً دو سو برس پہلے جب یہاں انگریزوں کا اقتدار ہوا اور انہوں نے ہمارے مذہب کو بگاڑنے کی کوشش کی اور ہمارے عقائد و اعمال کو تبدیل کرنے کے درپے ہو گئے انگریز بڑے مدبر و ہوشیار تھے اللہ جل شانہ نے اس وقت ہمارے اکابر کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ اس انگریزی اور مغربی تہذیب کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مدارس قائم کرو، چنانچہ ان حضرات نے مدارس قائم کئے اور ان کے مساعی سے مدارس کا یہ سلسلہ قائم ہوا۔ دار العلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مراد آباد وغیرہ مدارس اسی زمانے میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے قائم کئے

اللہ جل شانہ نے بڑی مدد فرمائی اگرچہ اپنے منصوبے میں ناکام رہے۔ اور ان کی اسکیم پوری طرح کامیاب
نہیں ہو سکی۔ لیکن اس مدرسہ کی برکت سے بہت سے لوگوں نے دین کو اپنایا اور اس پر استقامت دکھائی۔ حالانکہ
ان لوگوں کے پاس سرمایہ تھا نہ حکومت تھی۔ البتہ ان تحریکوں میں انگریزوں نے یہ چاہا کہ نوجوانوں کو دین
سے متنفر کر دیا اور آہستہ آہستہ ان کی تہذیب و ثقافت سے نوجوان بیزار ہوئے۔ انہوں نے ان کی ایک بڑی تعداد کو
متاثر کر لیا اور ان کو بڑا متاثر کیا کہ حالت بگڑ گئی۔ اس فتنہ و فرقہ کے خاتمہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے تبلیغی
کام کو جاری فرمایا۔ اب اس کی تصدیق یہ ہے کہ ہمیں پوری توجہ اس کی طرف کرنی چاہیئے اس لئے کہ جب کسی
بیماری کا کوئی علاج تجویز ہو جائے۔ اگر کوئی اس پر استقامت دکھائے گا۔ تو کامیاب ہوگا۔ ورنہ اپنا
ہی نقصان ہوگا۔

آج سے سو برس پہلے عام طور پر قلوب میں دین اور علماء دین کی عظمت و قدر تھی۔ ہر جگہ مدرسہ
تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ جب یہ مدرسے قائم ہوئے تو ان کا نام سنتے ہی لوگ ان کی طرف بہت زیادہ متوجہ
ہوئے مگر آج ایک صدی گزرنے کے بعد انگریزی اثر نے ہمارے مدارس دینیہ سے اور مکاتب سے عام بے
توجہی پیدا کر دی ہے۔ اس کی بنا پر اس کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کے گھروں پر جا جا کر انہیں متوجہ کیا جائے۔
کیونکہ پہلے جب لوگ کسی تبلیغ کا نام سنتے تھے۔ تو خود بخود اس کی طرف آتے تھے۔ ورنہ بعض باپ ہوتے
تھے۔ یہی حال مجالس ذکر و مدارس و مکاتب کا تھا مگر آج حالات بدل گئے اس لئے تبلیغ کی ضرورت پڑی
مشرق و مغرب میں ہر جگہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ تبلیغ کی برکت سے لوگ دین کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں
مدارس و خانقاہیں اس وقت مفید ہوں گی جب لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اس کے لئے تبلیغ
ہے۔ بغیر لوگوں کی توجہ کے کوئی نفع اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ مجلس میں ترکی کی جماعت تھی ایک مشورہ
ہے کہ پہلے سے ملفوظات مولانا محمد الیاس کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ترکی میں ترجمہ کرا کے اس کو پھیلاؤ
اس میں سب تفصیل آگئی ہے۔

موجودہ دور میں جس طرح دین کمزور ہو رہا ہے اسی طرح مطابع کی کثرت کی بنا پر کتابیں بھی مطبوعہ
طبع ہو کر آ رہی ہیں۔ حضرت مولانا قدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے حیدرآباد سے سنن بیہقی کا ایک نسخہ نقل

لکھا تھا۔ اس کے بعد میرے حضرت نے گنگوہ سے ان کی نقل کرا کے مدرسہ مظاہر علوم کے کتب خانہ میں
داخل کر دیا۔ اس کو مولانا ثابت علی صاحب مہتمم مدرسہ بڑی مشکل سے کسی کو دیکھنے کے لئے دیتے تھے۔
حضرت اقدس سہارنپوری کو البدایہ والنہایہ کو دیکھنے کا بہت شوق تھا مگر اس زمانے میں حضرت ہی کے یہاں مصنف
عبدالرزاق اور بہت سی بڑی کتابیں جن کا مولانا عبدالحق صاحب نے الثقافۃ الاسلامیہ میں ذکر فرمایا ہے۔ طبع ہو کر
آ رہی ہیں۔ مولانا ثابت علی صاحب مہتمم فرماتے تھے کہ مولانا زکریا جب مجھ سے استعداد بہ شرط واپسی جلدیں لیتے ہیں
سندیں آتی ہی لیتی ہیں۔ میرے پاس بعض اکابر کی سندیں موجود ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کا فوٹو
چھاپ دوں۔ یہ جملے میں بیان کر رہا تھا کہ پہلے زمانے میں دیانت تھی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریز نے
مسلمانوں سے کارتوس کے بارے میں کہا کہ اس میں سور کی چربی رہتی ہے۔ ہندو جوانوں سے کہا کہ اس میں گائے
کی چربی رہتی ہے یہ انگریزوں کی سیاست تھی۔

اسی زمانے میں کا ایک قصہ ہے کہ رائے پور کی نہر کی کھدائی ہو رہی تھی۔ اس میں ایک سونے کا ڈلا
ملا۔ افسر کے قریب ڈپٹی کلکٹر کا خیمہ تھا۔ چنانچہ مزدور ایک سنار کے سر پر رکھ کر ڈپٹی کے پاس لے گئے
اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ بہت ہی گھبرایا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے چند برس کے بعد وہ ڈپٹی مظفر
نگر میں کلکٹر ہو کر گیا اور اس کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک سنار نے ایک لڑکے کے کان سے سونے
کی بالی نکال لی ہے اور اس کو کٹوتی میں ڈال دیا ہے۔ جب کلکٹر نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اس سنار
نے کہا کہ میں نے سونا کھود کر نکالا تھا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پیتل کی ہے۔ اس لئے کٹوتی میں ڈال دیا۔ وہ
کلکٹر بہت دیر تک سوچ کر غور کرتا رہا اور اس سنار کو پہچان لیا اور کہا کہ تم ہی تو نہیں تھے میرے پاس سونے
کا ڈلا لائے تھے؟ اس نے اقرار کیا۔ اس نے کہا کہ یہ فرق کیسا ہو گیا ہے۔ سنار نے کہا کہ اس زمانے میں دوسرے کی
چیز اپنے پاس رکھنی مشکل تھی۔ مگر اب وہ دیانت باقی نہیں رہی۔ اس انگریز کلکٹر نے سنار کو چھوڑ دیا اور کہا کہ
میں اپنی قوم (انگریز) کو مجرم سمجھتا ہوں۔

گنگوہ میں ایک مولانا احمد علی صاحب تھے۔ ان کی ایک کتاب مناجات ہے۔ وہ بوڑھے اور معمر
تھے۔ ان کو میں نے بھی دیکھا ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب سے سنا کہ مولانا احمد علی صاحب نے ایک قصہ سنایا

پڑا یا اِل: حق تعالیٰ سے کسی پیر پہچان باندھنے سے کسی کی غیبت کرنے سے اور ہر گناہ سے چھوٹا ہو
یا بڑا اور عہد کیا ہم نے انشاء اللہ تعالیٰ نہیں کریں گے اور جو ہو جائے گا تو توبہ کریں گے، یا اللہ یا غیاثنا
ہماری توبہ قبول فرما ہمیں اپنے سچے بندوں میں شامل فرما ہم کو توفیق عطا فرما اپنی رضامندی کی، اپنے
پاک رسول کی تابعداری کی بیعت کی ہم نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ذریعے کے ہاتھ پر

اس کے بعد حضرت دعا کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی توفیق دے اور مجھے بھی اور دعا کے بعد حضرت کے
معمولات کا پرچہ عطا فرماتے اور گنگوہی کی یا نسخہ ہو چکا ہے اس کو اپنے ساتھ لے لیں۔

ختم خواجگان حضرت کے یہاں اور مبارک ہیں جن کا اہتمام رہتا ہے وہ اس
کے بعد کوئی صاحب دعا کراتے ہیں جس میں خصوصیت کے ساتھ امت کے لئے دعا مانگی جاتی ہے
اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تمام شرکا ختم دس دس مرتبہ درود شریف پڑھیں اس کے بعد مجموعی طور پر
تین سو ساٹھ مرتبہ لا ملجا و لا منجا من اللہ الا الیہ پھر تین سو ساٹھ بار مع بسم اللہ سورۃ
الم نشرح، پھر تین سو ساٹھ مرتبہ لا ملجا و لا منجا من اللہ الا الیہ، پھر دس دس مرتبہ
سب لوگ درود شریف پڑھ کر دعا کریں۔

طالب صادق کی کامیابی یقینی ہے ارشاد فرمایا: اصل چیز اخلاص ہے جس
کی وجہ سے پیر کا نااہل ہونا بھی مرید کے خلوص کی بدولت اس کو مضر نہیں ہوتا چنانچہ میں
نے اپنے والد صاحبؒ سے ایک قصہ سنا تھا کہ ایک ڈاکو تھا جب تک شباب و قوت رہی
خوب ڈاکے مارے لیکن جب ضعف و پیری لاحق ہوئی اور اعضاء نے جواب دے دیا تو اس نے
اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا پیشہ اختیار کیا جائے۔ ساتھیوں نے بتایا کہ پیری مریدی
ایک ایسا پیشہ ہے جس میں بے محنت مشقت خوب مزے اڑتے ہیں۔ قصہ تو طویل ہے اس مصنوعی
پیری لغویات کے ساتھ ایک سچا طالب حق اس کے پاس پہنچا۔ یہ اپنی لغویات میں مشغول تھا مگر
اس کی طلب اور صدق نیت نے پیر کی خرافات کی طرف توجہ بھی نہ ہونے دی اس نے بعد بیعت
ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا میں آپ سے اللہ کا راستہ سیکھنے آیا ہوں وہ پیر کہ غلطی سے بار بار تھا مگر

پہنچ گیا تھا اس لئے وہ اس کے بےوقت آنے پر بہت ناراض ہوا اور کہا کہ اللہ کا راستہ یوں نہیں آتا یہ کہہ کر اس کو ایک پھاوڑا دیا اور کہا کہ فلاں باغ میں اس کی کیاریوں کو صاف کرو اس کی ڈولیں بناؤ اور نالیاں درست کرو۔ وہ اسی وقت پھاوڑا لے کر تعمیل کرتا ہوا اس باغ میں پہنچا اور اس کی مرمت شروع کر دی، باغ والے مزاحم ہوئے کہ تو ہمارے باغ میں کیوں دخل دیتا ہے اس نے بہت منت خوشامد کر کے کہا کہ مجھے تمہارے باغ سے کچھ لینا نہیں مجھے میرے پیر نے اس باغ کو صاف کرنے کو اور مرمت کرنے کو کہا ہے۔ روز اول تو وہ لوگ بہت ڈرتے رہے، اس کو ملا پیتا بھی، مگر یہ دیکھ کر یہ کھانے کو مانگتا ہے نہ اور کچھ، جو کچھ روکھی سوکھی ملتی ہے کھا لیتا ہے۔ تین مہینے اسی حال میں گزر گئے۔ مشہور یہ ہے کہ ابدال میں سے جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو غوث وقت کی مجلس میں اس کا بدل منتخب ہوتا ہے، چنانچہ کسی ابدال کا انتقال ہوا اور غوث کی مجلس میں انتخاب کے لئے ابدال حضرات نے اپنی اپنی رائے سے لوگوں کے نام بتلائے حضرت غوث نے سب کے نام سن کر یہ کہا کہ ایک نام ہمارے ذہن میں بھی ہے اگر تم پسند کرو۔ سب نے عرض کیا حضور ارشاد فرمائیں حضرت نے فرمایا کہ فلاں بادشاہ کا فلاں ولی عہد مخلص ہے۔ سچی طلب رکھتا ہے، بہت اخلاص سے مجاہدہ میں مشغول ہے۔ سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا پھر سب نے مع حضرت غوث اس پر توجہ ڈالی جس کی وجہ سے اسی وقت اس پر انکشافات ہونے لگے اور وہ رقص کرتا ہوا پھاوڑا باغ والوں کو یہ کہہ کر حوالہ کر دیا کہ یہ فلاں پیر صاحب کا ہے جو فلاں جگہ فلاں میں رہتے ہیں، اور یہ چلا گیا تھا، ہر چند ان لوگوں نے خوشامد منت سماجت کی کہ ذرا اپنا حال تو بتلا دے مگر اس نے کچھ نہیں بتلایا اور کہا بس معاف کرو اور میرے سے غائب ہو گیا یہی مطلب ہے اس مشہور مقولہ کا کہ پیر من خس است اعتقاد من بس است۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔

کتابت ———
عزیز صدیقی ۲۶۴

خاتمہ

حضرت اقدس مدفیوضہم کے ارشادات و ملفوظات کو اسی پر ختم کر رہا ہوں اگرچہ ان
کی ترتیب وغیرہ کا کام میں نے گذشتہ سال ہی مکمل کر لیا تھا مگر کتابت و طباعت کی دشواریوں
کی بناء پر کافی تاخیر ہو گئی میرے بہت سے بزرگوں و دوستوں نے ان کے مطالعہ و زیارت کے
اشتیاق کا اپنے خطوط کے ذریعے اور زبانی اظہار فرمایا اور ان کی اشاعت کے لئے دعا گو رہے۔
بالخصوص محترم المقام مولانا سید آفتاب احمد مدنی صاحبزادہ گرامی فخر المحدثین حضرت مولانا
میرٹھی نور اللہ مرقدہ جنہیں حضرت اقدس سے والہانہ تعلق و محبت ہے، اسی طرح مولانا غلام
محمد نورگت صاحب رحیمیہ اور مولانا یوسف ڈوکلا صاحب و محمود الشریف اور مجاہد مولانا محمد الحسنی
مدیر البعث الاسلامی لکھنؤ نے ان کی ترتیب و اشاعت کے لئے ہر طرح کی حوصلہ افزائی فرمائی
یہ ناکارہ ان سب حضرات کا تہ دل سے ممنون ہے حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ناکارہ کی
خطاؤں و لغزشوں کو درگذر فرما کر ان ملفوظات اور صاحب ملفوظات کی برکات سے
سرفراز فرمائے، واللہ ولی التوفیق

فقط

والسلام

تقی الدین مظاہری
مقیم آستانہ خلیلیہ
مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۴ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ